احمد شاہ ابدالی



فہرست مضامین

فاتح سلطان

توپوں کی گھن گرج سے زمین اور پہاڑ کانپ رہے تھے اور بارود کے دھوئیں آسمان پر سیاہ بادلوں کی طرح چھاتے جا رہے تھے۔ نقاروں کی تال پر شہنائیوں کی آواز ہوا کے دوش پر سوار دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ آسمان پر آتش بازی نے ایک سماں باندھ رکھا تھا جس سے مختلف رنگوں سے بنتے بگڑتے چاند ستاروں کی بارش سی ہو رہی تھی۔ پتھریلی زمین پر اپنے سموں سے شرارے بکھرتے ہوئے ہنہناتے ہوئے گھوڑے خراماں خراماں چلے آرہے تھے۔ فضا خوشی کے نعروں سے گونج رہی تھی۔ نادر شاہی فوج ہندوستان سے واپس کابل کی سرزمین پر سینکڑوں میل کا فاصلہ طے کر کے لوٹ رہی تھی۔ فاتح سپاہیوں کے چہرے خوشی سے ٹمٹما رہے تھے۔ فوج کے آگے فرمانروا افغانستان نادر شاہ درانی اپنے عربی النسل نقرئی گھوڑے پر بڑی شان کے ساتھ بیٹھا اپنے دارالسلطنت کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس سے چند قدم پیچھے فوج کا بہادر سپہ سالار احمد شاہ ابدالی اپنے مونہہ زور گھوڑے کی راسیں کھینچے چلا آرہا تھا جو نادر شاہ کے گھوڑے سے آگے بڑھ جانے کے لیے مچل رہا تھا۔ اس کے بعد عہدوں کے اعتبار سے فوج کے افسر زرق برق لباسوں میں خوش گپیاں کرتے چلے آرہے تھے جن کے پیچھے گھوڑ سوار فوج کے دستے بڑی تنظیم کے ساتھ اپنے بڑے بڑے نیزوں پر اپنی پلٹن کے نشان

پھریروں کی صورت اڑاتے مخصوص رفتار کے ساتھ چلے آرہے تھے۔ جن کے درمیان مالِ غنیمت سے لدے ہوئے اونٹ۔ خچر بار برداری کے دوسرے جانوروں کے علاوہ سامان سے لدے ہوئے چھکڑے تک موجود تھے۔ یہ توپیں سلامی کے طور پر داغی جا رہی تھیں۔ آتشبازی کا مظاہرہ کابل کے عوام کی دلی ترجمانی کر رہا تھا جو خوشی اور مسرت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ اپنے بادشاہ اور اُس کی فوج میں موجود اپنے بیٹوں اپنے بھائیوں کی واپسی پر مسرت کا اظہار کر رہے تھے۔

آگے جاتے ہوئے نادر شاہ درانی نے اپنی گردن گھما کر پیچھے آتے ہوئے احمد شاہ ابدالی کو دیکھ کر خندہ پیشانی سے کہا۔

احمد شاہ جنگ میں جاتے وقت تمہارا گھوڑا ہم سے بھی دو قدم آگے موجود رہتا ہے۔ کیا بات ہے فتح کے بعد ہمیں بار بار پیچھے مڑ کر تمہیں مخاطب کرنا پڑتا ہے شاید یہ وفادار جانور زیادہ تھک گیا ہے۔ ایسا ہونا بھی چاہیے میدانِ جنگ میں تم اسے بجلیوں کی طرح ہر کمزور محاذ کی طرف دشمنوں پر گراتے بھی رہے ہو۔ دشمن پر عقاب کی طرح جھپٹ پڑنا اور بجلی بن کر ٹوٹ پڑنا تمہارا طرہ امتیاز ہے جس کے ہم قائل ہیں۔

احمد شاہ ابدالی نے بڑے تحمل اور احترام کے ساتھ جواب دیا۔

ایسا نہیں ہے سردار۔ نہ تو میرا گھوڑا ہی تھکا ہوا ہے اور نہ ہی میرے بازو، ابھی شل ہوئے ہیں۔ میدانِ جنگ میں آگے بڑھ کر دشمن کے وار سے بادشاہ کی ڈھال بن جانا وفادار سپاہی کا فرض ہے۔ لیکن عام حالت میں اپنے سردار کے شانہ بشانہ چلنا گستاخی میں شمار ہوتا ہے۔ وفاداروں کے قدم اپنے بادشاہ کے برابر نہیں اُس کی قیادت میں اُس سے پیچھے ہونے چاہئیں۔ مرحبا۔ احمد شاہ ہم تمہاری بہادری۔ جنگی سیاست اور عقل و دانش کے ہمیشہ سے مداح ہیں۔ باخدا ہم اپنے بعد تاجِ شاہی کو تمہارے ہی سر پر جگمگاتا دیکھ رہے ہیں۔ تم اس کے اہل ہو۔

نادر شاہ نے کہا تو احمد شاہ نے قدرے اضطراب سے جواب دیا۔

ایسا نہ فرمائیں سردار خدا آپ کا سایہ ہمارے سروں پر قیامت تک قائم رکھے آپ کے بازوؤں کی طاقت اور آپ کی تلوار کا لوہا تو افغانستان سے لیکر ہندوستان تک کے فرمانروا مان چکے ہیں۔ پھر کس میں یہ طاقت اور جرأت ہے کہ اس تاج کی طرف نگاہ اُٹھا کر بھی دیکھ سکے۔

نادر شاہ نے اپنے گھوڑے کی باگوں کو کھینچ کر احمد شاہ ابدالی کو برابر آنے کا موقعہ دیتے ہوئے خندہ پیشانی سے جواب دیا۔

تم نے ہماری بات کو غلط سمجھا ہے احمد شاہ۔ ہمیں تمہاری وفاداری پر بھروسہ ہی نہیں ناز بھی ہے۔ ہمارا مقصد یہ ہرگز نہ تھا کہ خدانخواستہ تمہارا ہاتھ اس تاج کی طرف اُٹھ سکتا ہے۔ جان برادر ہمارا مقصد یہ تھا کہ ہمارے بعد اگر کوئی ان مونہہ زور افغان سرداروں کو قابو میں رکھ سکتا ہے تو فقط وہ تم ہی ہو۔ تمہاری عقل و فراست ہار میں پروئے ہوئے ان موتیوں کو بکھرنے نہ دے گی۔ تمہاری تلوار کی کاٹ اور اُس کے فولاد کی ہیبت کے سامنے یہ سر نہیں اُٹھا سکتے۔ میری فوج میں بڑے بڑے بہادر سردار اور بھی موجود ہیں لیکن جان برادر بہادری کے ساتھ ساتھ عقل و فراست۔ جنگی شعور اور حکومت کرنے کی سیاست ہر ایک میں موجود نہیں ہوتی۔ احمد شاہ ہم یہ مانتے ہیں کہ بہادر اپنی نوکِ شمشیر سے اپنی فتح و نصرت کی داستانیں خیمہ قرطاس پر تحریر کرتا ہے۔ وہ سیلاب کی طرح تیزی سے پھیلتے ہوئے دشمن کی سلطنتوں کو بھی اپنے زیر لے آتا ہے اور اس کی زد میں آنے والی چٹانیں بھی خس و خاشاک کی طرح بہہ جاتی ہیں۔ وہ کابل کی سرزمین سے بگولے کی طرح اُٹھ کر ہندوستان کے افق پر بادل کی طرح چھا جاتا ہے۔ اُس کی ٹڈی دل فوج دشمن کے خون اور لاشوں

کو روندتی ہوئی بڑھتی ہی چلی جاتی ہے۔ لیکن احمد شاہ جس طرح زمین پر بہادر سپاہی اپنی داستان تاریخوں کے صفحات پر رقم کرتا ہے ٹھیک اُسی طرح آسمان پر بھی تقدیروں کے فیصلے لکھے جاتے ہیں۔ وہ فیصلے جو نادر شاہ گڈریے کے سر پر تاج شاہی رکھ کر اُسے بادشاہ اور امیر بنا دیتے ہیں۔ جس طرح ہمیں اپنی تلوار کی دھار پر بھروسہ ہے اُسی طرح آسمان پر لکھے جانے والے فیصلوں پر بھی ہمارا ایمان ہے۔

احمد شاہ نے مؤدب لہجے میں احتجاج پیدا کرتے ہوئے کہا۔

سلطان عاقل اور دانش ور ہیں گستاخی معاف اس خوشی کے موقع پر یہ خدشات کچھ بے محل معلوم ہوتے ہیں کیا یہ بہتر نہیں امیر اس موضوع کو بدل دیں۔

نادر شاہ نے قہقہہ لگاتے ہوئے جواب دیا۔

تم ٹھیک ہی کہتے ہو احمد شاہ جب تقدیر کے فیصلے پر ایمان ہو تو پھر اُس پر سوچ بچار کرنا بے محل ہے۔ جانِ برادر ہماری خواہش ہے کہ جب ہم شہر میں داخل ہوں تو تم ہمارے شانہ بشانہ ساتھ ہو۔

کیا یہ بات پاس ادب کے خلاف اور دوسرے سرداروں کیلئے حسد کا باعث نہ ہو گی سردار؟

احمد شاہ نے سوال کیا تو نادر شاہ نے جواب دیا۔

احمد شاہ یہ پیش رفت تمہاری طرف سے تو نہیں یہ پیشکش ہماری طرف سے ہے پھر جہاں تک دوسرے سرداروں کے حسد کا سوال ہے تو تم جانتے ہو ہم مونہہ زور گھوڑوں کے مونہہ میں خاردار لگام ڈالنے سے خوب واقف ہیں۔

اور پھر جواب دینے کی بجائے احمد شاہ نے اپنے مونہہ زور گھوڑے کی راسیں ڈھیلی چھوڑ دیں جو پہلے ہی آگے بڑھ جانے کے لیئے مچل رہا تھا اور جے احمد شاہ کے فولادی بازوؤں کی گرفت نے قابو کر لیا تھا۔ ڈھیل ملتے ہی گھوڑے نے زقند بھری اور وہ نادر شاہ کے گھوڑے کے پاس جا پہنچا۔ اسی طرح پھولوں کی بارش میں بازاروں سے گزرتے ہوئے یہ لوگ محلات تک جا پہنچے جہاں فضا زندہ باد کے نعروں سے گونج رہی تھی، کابل کے عوام حیرت اور خوشی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ اس بے بہا دولت کو دیکھ رہے تھے جسے مغل فرمانرواؤں نے صدیوں میں جمع کیا تھا اور جسے نادر شاہ درانی چند روز میں ہی حاصل کر لایا تھا۔ اس اس مال غنیمت میں شاہ جہان بادشاہ کا تخت طاؤس بھی شامل تھا اور کوہ نور ہیرا بھی۔ ایک روایت کے مطابق اس ذخیرے میں ستر کروڑ روپے کی مالیت کا سونا اور جواہرات موجود تھے۔ اس کے علاوہ سو ہاتھی۔ سات ہزار اعلیٰ نسل کے گھوڑے۔ دس ہزار قیمتی سامان سے لدے ہوئے اونٹ بے شمار صناع اور کاریگر بھی موجود تھے جنہیں نادر شاہ اپنی سلطنت میں محلات اور خوبصورت عمارتیں بنوانے کیلئے ساتھ لے آیا تھا۔

تمام سامان کو دربار عام میں نمائش کے لیے سجا دیا گیا تھا۔ جہاں تمام امراء اور وزرا اور سرکاری عہدے دار حسب منصب اپنی نشستوں پر براجمان تھے۔ ان سب کو اس لیے خاص طور پر حاضر ہونے کا حکم جاری کیا گیا تھا کہ بادشاہ اپنے وفادار عہدہ داروں کو انعام واکرام سے نوازنا چاہتا تھا۔ آج دربار میں بادشاہ کی نقرئی کرسی کی بجائے اُس جگہ تخت طاؤس رکھا گیا تھا۔ اس تخت نے بڑے بڑے جلیل القدر شاہنشاہوں کو دیکھا تھا اور آج ہندوستان کی سرزمین سے بہت دور کابل کے شاہی دربار میں یہ پڑا افغانستان کے بادشاہ نادر شاہ درانی کا منتظر تھا۔

دربار میں نقیب کی آواز بلند ہوئی۔ جس نے فارسی زبان میں بادشاہ کی آمد کا اعلان کیا۔ دربار میں موجود تمام عہدے دار باادب ہو کر بیٹھ گئے اور کچھ دیر قبل جو

سرگوشیاں اور چہ میگوئیاں جاری تھی بادشاہ کے احترام میں بند ہوگئیں۔ نادر شاہ اپنے روایتی انداز میں دربار میں داخل ہوا اور آکر تخت طاؤس پر بیٹھ گیا، اُس نے طائرانہ نگاہوں سے عمائدین سلطنت کو دیکھا۔ جن میں فوجی سردار بھی شامل تھے اور سلطنت چلانے والے وہ دماغ بھی جو تمام اندرونی اور بیرونی انتظامات کے ذمہ دار تھے ان میں سیاست دان بھی تھے۔ منصف بھی اور شمشیر زن بھی۔ نادر شاہ کے تخت سے تھوڑا نیچے دائیں طرف احمد شاہ ابدالی ایک قیمتی کرسی پر بیٹھا تھا۔ جو افغانستان کی فوج کے سپہ سالار کے لیئے مخصوص تھی بائیں طرف قاضی القضات اور وزیر اعظم انعام الحق درانی کی نشست موجود تھی۔ بادشاہ کے بیٹھتے ہی درباری شاعر نے روایتی انداز میں اُس کی شان میں قصیدہ پیش کیا۔ اُس کے بعد نادر شاہ نے سب سے پہلے احمد شاہ ابدالی کو فرزند ارجمند کے خطاب کے علاوہ انعام واکرام سے نوازہ۔ اس کے بعد عہدوں کے اعتبار سے انعام واکرام کی بارش ہوتی رہی اور یہ سلسلہ آخری عہدے دار تک جاری رہا۔ اس کے بعد نادر شاہ نے کوہِ نور ہیرا اُٹھا کر درباری نجومی فرحت اللہ خاں کو دکھاتے ہوئے کہا۔

فرحت اللہ یہ کوہ نور ہیرا جو سلاطینِ مغلیہ کے تاجوں میں ایک مدت تک جگمگاتا رہا اور جو خدا کے فضل وکرم سے اب ہماری ملکیت ہے ہم چاہتے ہیں اسے اپنے تاج کی زینت بنائیں۔ بتاؤ کیا یہ ہیرا ہمارے لیئے خوش قسمتی کا باعث ہوگا یا نہیں۔؟ فرحت اللہ نے آگے بڑھ کر بڑی تنظیم کے ساتھ کوہ نور ہیرے کو نادر شاہ کے ہاتھ سے لے لیا۔ اور باغور اس کا مشاہدہ کرنے لگا پھر اُس نے کاغذ پر آڑھی ترچھی لکیریں کھینچنی شروع کر دی۔ تمام درباری اور خود بادشاہ بڑے اشتیاق سے اس کے جواب کے منتظر تھے جب کہ نجومی ان لکیروں کے جال میں الجھا ہوا سوچ وبچار میں ڈوبا ہوا تھا۔ دربار میں مکمل خاموشی طاری تھی جوں جوں وقت گزر رہا تھا سب کے چہروں پر ایک اضطرابی کیفیت طاری تھی۔ آخر فرحت اللہ نجومی نے اپنے جھریوں سے بھرے ہوئے چہرے پر موجود انتہائی پرکشش اور چمکدار آنکھوں کو لکیروں کے جال سے نکال کر قدرے سنجیدہ انداز میں نادر شاہ کی طرف دیکھا اُس کے لب خاموش تھے لیکن چہرے پر تجسّس برقرار تھا اسکی خاموشی جو نادر شاہ کو شاک گزر رہی تھی کو توڑتے ہوئے نادر شاہ نے اپنی بارعب اور گرجدار آواز میں کہا۔

فرحت اللہ خان تقدیر کے فیصلے آسمان پر لکھے ہوتے ہیں۔ تیرا علم جو تجھے بتا رہا ہے وہ تیرا ذاتی فیصلہ تو نہیں پھر کیوں تاخیر سے کام لے رہا ہے بے خوف وخطر اپنے علم اور مشاہدے کا اظہار کر دے۔

فرحت اللہ خان نے خوف اور تجسّس میں ڈوبی ہوئی سنجیدہ آواز میں جواب دیا۔

افغانستان کے بادشاہ۔ یہ ہیرا جسقدر قیمتی ہے اُسی قدر بے وفا اور خطرناک بھی ہے۔ یہ بڑے بڑے نامور۔ شجاع اور جلیل القدر سلطانوں کے تاج شاہی کی زینت ضرور بنتا رہا ہے لیکن میرا علم بتاتا ہے کہ اس نے کسی کے ساتھ بھی وفا نہیں کی شہنشاہ بابر کے بیٹے ہمایوں کو اسی کی بدولت ہندوستان کے تاج وتخت سے شیر شاہ سوری نے محروم کر دیا تھا۔ پھر جب وہ ایرانی فوجوں کی مدد سے ظفریاب ہو کر ہندوستان کی سلطنت پر قابض ہوا تو یہ بے وفا ہیرا اُس وقت شیر شاہ سوری کے فرزند سکندر سوری کے تاج کی زینت تھا جو دوبارہ ہمایوں کے تاج کی زینت بنا لیکن اس کی نحوست کے سبب دارالمطالعہ کی سیڑھیوں سے گر کر ہلاک ہوا۔ بل آخر یہ محمد شاہ کے تاج کی زینت بنا جسے افغان فوج نے نوچ کر اپنے سردار نادر شاہ کے قدموں میں ڈال دیا۔

نجومی کے جواب سے نادر شاہ درانی کے علاوہ دیگر سردار بھی رنجیدہ ہوگئے

لیکن ایک چہرے پر مسکراہٹ اب بھی موجود تھی اور وہ تھا احمد شاہ ابدالی اپنے وقت کا مایہ ناز اور صاحبِ تدبیر شخص۔ اُس نے نادر شاہ کو افسردہ حالت میں دیکھا تو اُٹھ کر کہا۔

سلطانِ معظم۔ کیا پتھر بھی کسی کی تقدیر بدل سکتے ہیں؟ اگر ایسا ممکن ہوتا تو ہمارے آقا و مولا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دستِ مبارک سے خانہ کعبہ میں آویزاں سینکڑوں بتوں کو توڑ کر اس بدعت کو ختم نہ کر دیتے۔ گستاخی معاف سلطانِ معظم اِس سرزمین پر انسان خلیفہ اللہ اور اُس کا نائب ہے۔ انسان اپنے کردار۔ افعال اور تدبیر سے اپنی تقدیر بناتا ہے۔ کیا خدا نے انسان کو خود مختار نہیں پیدا کیا۔ انسان کو نیکی اور بدی دونوں راستے قدرت نے بتاتے ہوئے واضح طور پر ارشاد کیا ہے کہ نیکی کی راہ پر چلنے والے اللہ تبارک تعالیٰ کی خوشنودی کا باعث اور بدی کی راہ پر چلنے والے اُس کے عتاب کا شکار ہوں گے۔ یہی تقدیرِ امم ہے۔ یہی مشیت یزدی ہے۔ انسان پر اُس کے اعمال کے علاوہ کوئی چیز غلبہ نہیں پا سکتی پتھر تو بڑی ہی حقیر شے ہے۔

احمد شاہ کے خاموش ہوتے ہی۔ قاضی القضاۃ انعام الحق درانی نے اُٹھ کر کہا۔

سلطانِ معظم مجھے احمد شاہ ابدالی کے افکار و دلائل سے اتفاق ہے۔ اس کے باوجود کے چند علمائے دین کا خیال ہے انسان خود مختار نہیں بلکہ ہر چیز اور انسانی فعل اُس کی پیدائش سے قبل اُس کی تقدیر میں لکھا جا چکا ہے۔ چونکہ پروردگار عالم الغیب ہیں اس لئے انہیں پہلے سے علم ہے کہ فلاں شخص فلاں موقعے پر فلاں حرکت کا مرتکب ہوگا اسی لئے وہ پہلے سے تحریر کیا جا چکا ہے۔ لیکن اس کے باوجود انسان تقدیر کا مالک نہ کبھی کوئی پتھر تھا اور نہ ہی کبھی اس میں یہ طاقت ہو سکتی ہے۔ ہر قسم کی تعریف صرف خداوند کریم کے ہی لیے ہے جو ہر چیز پر قادر ہے۔ آپ

اِس پتھر کو تاجِ شاہی کی زینت بنا دیں یہ نہ تو کوئی نفع ہی پہنچا سکتا ہے اور نہ ہی نقصان دلائل پیش کرنے کے بعد قاضی صاحب اپنی نشست پر بیٹھ گئے تو دربار میں ایک دفعہ پھر سناٹا چھا گیا لیکن جلدی ہی اس خاموشی کو توڑتے ہوئے نادر شاہ درانی نے اپنی بارعب آواز میں حکم دیا۔

اِس ہیرے کو تاجِ شاہی کی زینت بنا دیا جائے۔

اس کے ساتھ ہی نادر شاہ نے دربار کے برخواست ہونے کا اعلان کر دیا۔ اور خود تختِ طاؤس سے اُٹھ کر محل کے اندر چلا گیا۔ نادر شاہ نے محل میں داخل ہوتے ہی اپنے ولیعہد بہادر شاہ کو طلب کیا جو آج کے دربار میں غیر حاضر تھا اور جو ابھی تک اپنے حرم میں موجود اپنی نئی نویلی دُلہن کے پاس تھا۔ اس کی شادی بھی نادر شاہ نے ہندوستان سے لوٹتے وقت شہزادے کام بخش کی پوتی گلنار سے کر دی تھی۔ بادشاہ کا حکم ملتے ہی شہزادہ فوراً باپ کی خدمت میں حاضر ہو گیا۔ وہ دربار میں غیر حاضر ہونے کے سبب دل ہی دل میں خوف زدہ بھی تھا اِس لئے کمرے میں داخل ہونے کے بعد اُس نے باپ سے آنکھیں ملانے کی بجائے چرانے میں ہی عافیت سمجھی۔ نادر شاہ نے قدرے برہم انداز میں اُسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

شہزادے راہ رسم و شاہبازی چھوڑ کر حرم آباد کر لو گے تو سلطنت برباد ہو جائے گی۔ بہادر سردار تمہیں کرگسوں میں شمار کرنے لگیں گے۔ جو بہادر تلوار کی دھار سے پیار نہیں کرتے اُن کے ہتھیار زنگ آلود ہو جاتے ہیں اور تم یہ بات جانتے ہو بہادر افغان سردار طاقتور حاکم کے سامنے ہی سر جھکاتے ہیں۔ انہیں آنکھوں کو خیرہ کر دینے والے ہتھیاروں کی چمک پسند ہے شیر کی طرح سے میدانِ جنگ میں دھاڑنے والا بادشاہ ہی اُن کو محکوم بنا کر رکھ

سکتا ہے۔ ہم جلد ہی تمہیں حرم کے نرم بستر سے اٹھا کر میدان جنگ میں بغاوت فرو کرنے کے لیے روانہ کرنا چاہتے ہیں۔ جاؤ جا کر تیاری کرو۔



بربادی کا جشن

یہ ایک چاندنی رات تھی آسمان کی مانگ ستاروں سے بھری ہوئی تھی اور رات کی دلہن کے ماتھے پر چاند کا جھومر چمک رہا تھا۔ سنگِ مرمر کی بنی ہوئی مغلیہ محل کی بارہ دری چاندنی میں نہائی چمک رہی تھی۔ رنگ برنگے جھاڑ فانوس روشن تھے۔ بارہ دری میں ایرانی قالینوں پر سفید دودھ کی طرح چاندنیاں بچھی ہوئی تھیں جن پر اطلس اور کمخواب کے گاؤ تکیئے بکھرے ہوئے تھے۔ اس فرشی نشست کی ایک دیوار کے ساتھ ایک دیوان پر محمد شاہ بادشاہ ہندوستان بیٹھا تھا۔ چودھویں کے چاند کی طرح موجود رقص اور نغمے میں مصروف تھی۔ جب کہ خمار میں ڈوبی نگاہوں سے نشے میں رہت شہنشاہ بابر۔ ہمایوں اور اورنگ زیب عالمگیر کا جانشین سلطنت کی بربادی پر آنسو بہانے کی بجائے رقص و نغمے میں کھویا ہوا تھا اور طوائف کے قدموں میں سنہری سکوں کی بارش کر رہا تھا۔ وہ اس حقیقت کو نظر انداز کر چکا تھا کہ صرف چند ماہ قبل ہی نادر شاہ اُس کے اسلاف کا جمع شدہ خزانہ لوٹ کر اور دہلی کی رعایا کا قتل عام کر کے سلطنت مغلیہ کا سہاگ اجاڑ چکا ہے۔ دہلی کے گلی کوچوں سے ابھی تک نالے اور شیون کی آوازیں آ رہی تھیں لوگ اپنی بربادی پر ماتم کر رہے تھے لیکن رعایا کا باپ اس بربادی کا جشن منا رہا تھا۔ اُس کے پہلو میں حرم کی نہایت خوبصورت عورتیں موجود تھیں۔ بارہ دری محلِ خاص کے پائیں باغ میں موجود تھی اور اس

محل کے گرد اتنا سخت پہرہ تھا کہ بلا اجازت کوئی چڑیا بھی پر نہ مار سکتی تھی۔ مغنیہ کی آواز محل کے در و دیوار میں گونج رہی تھی جس نے شہنشاہ بابر کی ہی تحریر کردہ ایک فارسی نظم شروع کر رکھی تھی۔

"بابر تو عیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست"

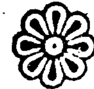
اور واقعی اس کی ترجمانی کرتے ہوئے محمد شاہ امور سلطنت اور رعایا کی آہ و بکا کو ارغوانی جام میں گھول کر پی رہا تھا۔ وہ زندگی کے موجودہ لمحات کو رنگین سے رنگین تر بنا رہا تھا۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ بادشاہ کے کردار اور شخصیت کا اثر اس کے امراء اور وزراء پر پڑتا ہے۔ لہٰذا نہ صرف محل بلکہ درباری امراء کی حویلیاں بھی رات ہوتے ہی شبستانوں میں تبدیل ہو جاتی تھیں۔ وہاں بھی رت جگا منانے والی محفلیں سجائی جاتی تھیں یہی وجہ تھی کہ نادر شاہ درانی نے سینکڑوں میل دور آ کر شاہی فوجوں کو شکست فاش دی اور انہیں ذلیل اور رسوا کر کے لوٹ گیا۔ درباری امراء کی حویلیوں میں یا تو عیش و نشاط کی محفلیں آراستہ رہتی تھیں یا پھر وہ سیاسی اکھاڑہ بنی رہتی تھیں جہاں ایرانی امراء تورانیوں کے خلاف اور تورانی وزراء ایرانی امراء کے خلاف سازشوں کے جال بننے میں مصروف رہتے تھے۔ ان سے قبل مغل بادشاہوں پر سادات خاندان کا بہت اثر تھا۔ اس لئے کہ وہ شجاعت میں مشہور تھے اور شروع سے مغل بادشاہوں کے دربار میں ممتاز عہدوں پر چلے آ رہے تھے۔ موجودہ سید برادران کا باپ اورنگزیب عالمگیر کے عہد میں بیجا پور اور اجمیر کا صوبے دار رہ چکا تھا۔ اس کے دو بیٹے تھے جو سید برادران کے نام سے مشہور تھے۔ بڑے بھائی کا نام عبداللہ خان تھا جسے دربار مغلیہ سے قطب الملک کا خطاب ملا ہوا تھا۔ چھوٹے بھائی کا نام حسین علی خان تھا جو امیر الامراء کے خطاب سے نوازہ گیا تھا۔ یہ دونوں بھائی سیاہ و سفید کے مالک بنے ہوئے تھے۔ چونکہ ان کے مورث اعلیٰ کو مغل حکومت کی طرف سے بارہ گاؤں پر مشتمل جاگیر ملی ہوئی تھی اس لئے تاریخ میں یہ سادات بارہ کے نام سے مشہور ہوئے۔

موجودہ بادشاہ محمد شاہ بہادر شاہ اول کے چوتھے لڑکے جہاں شاہ کا فرزند تھا۔ یہ اٹھارہ برس کا تھا کہ سادات نے ۱۷۱۹ء کو رفیع الدولہ کی موت کے بعد تخت پر بٹھایا۔ بادشاہ محمد شاہ تھا لیکن حکومت سادات کے ہاتھ میں تھی۔ محمد شاہ کو یہ بات پسند نہ تھی وہ اُن کی دسترس سے آزاد ہونا چاہتا تھا۔ اسی دور میں محمد شاہ کو ایک موقعہ مل گیا۔ دکن میں نظام الملک نے علم بغاوت بلند کیا تو بادشاہ خود امیر الامراء حسین علی خاں کے ہمراہ اس بغاوت کو فرو کرنے کے لئے دہلی سے فوج لے کر نکلا اور سوچی سمجھی سکیم کے تحت راستے میں چند درباریوں نے جن میں اعتمادالدولہ امین خان۔ حیدر قلی خاں اور میر جملہ موجود تھے نے حسین علی خاں کو قتل کر دیا۔ چھوٹے بھائی کے قتل کی اطلاع جونہی قطب الملک عبداللہ خان کو ہوئی اُس نے ابراہیم شاہ جو رفیع الشان کا بیٹا تھا کو دہلی کے تخت پر لا بٹھایا۔ محمد شاہ فوج لیکر واپس آگیا اور دریائے جمنا کے کنارے شاہ پور کے قریب دونوں فوجوں میں تصادم ہوا۔ گھمسان کی جنگ ہوئی بالآخر فتح و نصرت نے محمد شاہ کے قدم چومے اور اُس نے قطب الملک عبداللہ خان کو گرفتار کر لیا اور دوبارہ تخت پر قبضہ کر لیا۔ بعد میں عبداللہ خاں کو قید میں زہر دے کر ہلاک کر دیا گیا۔ اور یوں سادات بارہ کا اقتدار ختم ہوا۔ اُن کے بعد محمد شاہ نے قمرالدین کو جو اورنگ زیب کی وفات کے بعد بیجا پور کا صوبے دار تھا اور جسے سادات نے مالوہ کا گورنر مقرر کیا تھا کو نظام الملک کا خطاب دے کر ۱۷۲۲ء کو وزیر اعظم مقرر کیا۔ سادات کے بعد دربار میں ایرانی جماعت برسر اقتدار آچکی تھی۔

نظام الملک نے مغلیہ عظمت کے گرتے ہوئے ستونوں کو سہارا دینے کی بہت کوشش کی مگر اس کے راستے میں قدم قدم پر مشکلات تھیں جو تورانی برسر

اقتدار امراء کی پیدا کردہ تھیں۔ دوسری طرف محمد شاہ بادشاہ تھا جسے عیش ونشاط سے ہی فرصت نہ تھی۔ جب اس کی مخلصانہ کوشش۔ اصلاحی اقدامات بے سود ثابت ہوئے تو وہ درباری ماحول سے بددل ہوگیا اور اُس نے ۱۷۲۴ء کو دوبارہ دکن کی راہ لی جہاں وہ خود مختار تھا صرف خطبہ وسکہ میں بادشاہ کا نام لیا جاتا تھا۔

نظام الملک کے بعد انتظامِ مملکت میں دوبارہ انتشار پھیل گیا۔ وقت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے مرہٹوں نے دریائے نربدا کو عبور کر کے شمالی علاقے کو تاخت وتاراج کرنا شروع کر دیا۔ انہوں نے مالوہ اور گجرات میں مستقل قدم جمانے شروع کر دیئے یہاں تک کہ مرہٹہ سردار باجی راؤ پیشوا دہلی تک بڑھ آیا۔ بل آخر محمد شاہ نے دوبارہ ۱۷۳۷ء میں نظام الملک کو بلا کر وزیر اعظم مقرر کیا۔ لیکن باوجود کوشش کے بھی نظام الملک مرہٹوں کو مالوہ سے نکالنے میں ناکام رہا یہ جنگ ابھی جاری تھی کہ نادر شاہ نے حملہ کر کے قصرِ حکومت کو متزلزل کر دیا۔ نظام الملک یاس اور ناامیدی کا زخم کھا کر ٹوٹے ہوئے دل کے ساتھ دوبارہ دکن چلا گیا۔



ایک خواب ایک حقیقت

ہندوستان سے حاصل کی ہوئی دولت کے ساتھ نادر شاہ نے کابل میں بڑے شاندار محلات۔ شاہی عمارتیں اور رعایا کے لیے خوبصورت باغات بنوائے جس کے لیے وہ ہندوستان سے واپسی پر اعلیٰ ترین معمار اور کاریگر ساتھ لایا تھا۔ اُس نے رعایا کی خوشحالی کے لیے جدید قسم کی اصلاحات کیں کسانوں کو زیادہ سے زیادہ مراعات سے نوازہ ملکی ٹیکسوں میں کمی کی۔ حکومت کا خزانہ بھرا ہوا تھا ان تمام رعایتوں کی وجہ سے عوام میں خوشحالی پھیل گئی۔ تمام سلطنت کے عوام وخاص خوش تھے لیکن نادر شاہ کو ایک فکر ضرور کھائے جا رہی تھی جس سلطنت کو اُس نے خون پلا کر قائم کیا تھا اور جسکی وسعت کابل۔ قندھار سے لیکر ہندوستان میں پنجاب تک پھیل گئی تھی اُس کی زندگی کے بعد اُس کے جانشین شہزادے بہادر شاہ میں یہ قابلیت موجود نہ تھی کہ اسے قائم رکھ سکے۔ وہ شمشیر وسناں سے زیادہ خوبصورت عورتوں اور عیش و عشرت کا شوقین تھا اُس میں نہ تو حکمت عملی اور نہ ہی جنگی فراست اور سیاست موجود تھی جو ایک فرمانروا میں ہونی چاہیئے۔ وہ اپنی خوابگاہ میں کافی رات گئے تک ٹہلتا رہا اور بل آخر تھک کر آرام کرنے کے لئے اپنے بستر پر دراز ہو گیا۔

مثل مشہور ہے نیند سولی پر بھی آجاتی ہے۔ بل آخر نادر شاہ کو بھی نیند نے اپنی آغوش میں لے ہی لیا اور وہ سو گیا۔ سوتے ہی اُس نے خواب دیکھا۔

قندھار کی طرف سے ایک سرخ آندھی اُٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے کابل کے ا
پر چھا گئی۔ اس آندھی میں انسانی چیخ وپکار کا شور اسقدر بلند تھا کہ کان پڑی آواز سنائی
دیتی تھی۔ آہ بکا فریادوں کا شور۔ ایسا شور بھی شامل تھا جیسے کوئی انسانوں کو ذبح کر ر
ہو۔ جیسے میدانِ جنگ میں مرتے والوں کی دل ہلا دینے والی آوازیں شامل ہوں

اُس نے خواب میں ہی پلنگ سے اُٹھ کر حاکمانہ انداز میں چیخ کر کہا۔

یہ کیسا شور ہے؟ کون لوگ اس بھیانک انداز میں ادھم مچا رہے ہیں ک
جانتے نہیں ہم آرام فرما رہے ہیں۔

پھر اچانک ہی شور مچانے والے اُس کے سامنے نمودار ہوئے۔ اُس
دیکھا خون میں تر کفن پوش انسانوں کا ایک جمِ غفیر غل مچاتا ہوا اُس کی طرف ب
رہا ہے۔ اُن کے زخموں سے خون رس رہا تھا۔ کئی ایک کی گردنیں اور بیشتر
دیگر اعضا کٹے ہوئے تھے اور یہ وُہی لوگ تھے جو شور و غل اور آہ و بکا کر ر
تھے۔

پھر اُس نے خواب میں ہی دیکھا چند خوفناک حبشی جلاد لمبی لمبی تلواریں لے
اپنی خون آشام آنکھوں کے ساتھ اُس کی طرف بڑھے اور اُسے محل سے لاکر ا
وسیع وعریض میدان میں لا کھڑا کیا جہاں چاروں طرف یہ کٹے پھٹے انسان موجود
اس غول میں سے ایک سر کٹے نے مجمعے سے نکل کر آگے بڑھتے ہوئے ق
آکر نادرشاہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

نادرشاہ ایک نظر آسمان کی طرف دیکھ ہم نے اپنا خون آسمان کی طر
اچھال دیا ہے یہ سرخی ہمارے ہی لہو کی ہے۔

نادرشاہ نے ڈرتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھا اور پھر اس سر
سے سوال کیا۔

تم لوگ کون ہو؟ یہاں کیوں آئے ہو۔ میرے ساتھ تمہارا کیا تعلق ہے؟ سر کٹے
نے جواب دیا۔

نادرشاہ ہم لوگ دہلی کے گلی کوچوں میں قتل کیے جانے والے وہ بیگناہ لوگ
ہیں جنہیں تیرے حکم سے تیرے سپاہیوں نے قتلِ عام کیا ہے۔ ہمارے خونِ
ناحق کی فریاد نے عرشِ الٰہی کو ہلا کر رکھ دیا ہے اور حق تعالےٰ نے تجھے ہمارے
حوالے کر دیا ہے۔ ایران کے معمولی گڈریئے کیا خداوندِ کریم نے تیرے سر پر تاج
ناہی رکھا تھا کہ تو خلقِ خدا کا قتلِ عام کرے۔ تو چلے تو کھیتوں اور کھلیانوں کو روندتا ہوا۔
تیری فوج جس سمت سے گزرے بستیاں اجاڑتی جائے۔ تو غصے میں آئے تو ہزاروں
بندگانِ خدا کو ہلاک کروا دے۔

نادرشاہ نے جواب دیا۔

یہ انتقامی کاروائی میں نے اُس وقت کی جب دہلی کے عوام نے میرے تین
ہزار سپاہی موت کے گھاٹ اتار دیئے۔ تم جانتے ہو بادشاہت اور حکومت
اسی طرح قائم رہ سکتی ہے کہ فاتح سلطان کا نام ہی سُن کر ایوانوں میں زلزلہ آجائے۔
شہر فوجوں کے لئے خالی ہو جائیں۔ جو بھی مخالفت میں سر اٹھائے کاٹ ڈالا جائے۔
محکوم قوم کی دولت لوٹ لی جائے۔

سر کٹے نے طیش میں آکر قدرے بلند آواز میں جواب دیا۔

جھوٹ کہتے ہو حکومت دلوں میں خوف پیدا کر کے نہیں دلوں کو جیت کر دلوں
میں محبت پیدا کر کے کی جاتی ہے۔ تعجب ہے تم مسلمان ہو کر اس بیہودہ سیاست
پر ایمان رکھتے ہو۔ نادرشاہ کیا ہمارے آقا ہمارے مولا محمدؐ عربی نے اسلام اسی
طرح پھیلایا تھا۔ آپ نے تلوار سے نہیں کردار سے بڑے بڑے جابر لوگوں اور
حکمرانوں کے دل جیت لئے تھے۔ جو کسی کے سامنے سر جھکانا اپنی توہین خیال

کرتے تھے وہ نبی کریم کی بارگاہ رسالت میں محبت اور عقیدت سے سر جھکا کر حاضر ہونا فخر محسوس کرتے تھے۔ کیا رسالت مآب نے فتح مکہ کے بعد یہی سلوک کیا تھا دشمنوں سے جو تم کرکے آئے ہو۔ تم نے ایک اسلامی حکومت کو لوٹا ہے۔ مسلمانوں کا قتلِ عام کیا ہے مگر خدا کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں باخدا تم بھی اسی طرح قتل کئے جاؤ گے جس بے رحمی اور ظالمانہ طریقے سے تم دوسروں کو قتل کر چکے ہو۔

پھر اس سے پیشتر کے کئی تلواریں بے نیام ہو کر اس کی طرف بڑھیں نادر شاہ نے چیخ ماری اور خواب سے بیدار ہو گیا۔ بھاگتے ہوئے قدموں کے ساتھ ہی محافظ سپاہی کمرے میں داخل ہوئے جہاں نادر شاہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر در و دیوار کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے بل آخر محافظوں کو چلے جانے کا اشارہ کیا اور پھر اپنے بستر سے اتر کر اضطرابی کیفیت میں کمرے میں ٹہلنے لگا یہاں تک کہ فجر کی اذانیں فضا میں گونجنے لگیں۔

سورج نے جب اپنی سنہری کرنیں زمین پر بکھیر دیں تو اپنے دیوانِ خاص میں نادر شاہ نے فوری طور پر سپہ سالار احمد شاہ ابدالی کو طلب کیا۔ اس کے علاوہ وزیر اعظم اور قاضی القضاۃ انعام الحق درانی اور ولیعہدِ سلطنت کی بھی طلبی ہوئی۔ جب سب آ گئے تو نادر شاہ نے اپنا خواب بیان کرتے ہوئے کہا۔

ہمیں ایسا لگتا ہے کہ یہ خواب نہیں حقیقت تھی۔ جس طرح خداوند کریم نے تاج شاہی ہمارے سر پر رکھا تھا ہمیں یقین ہے وہ اُسے ہمارے سر سے اتار کر کسی اور کو بخش دے گا۔ مجھے اپنے چراغِ حیات کی لو پھڑپھڑاتی نظر آ رہی ہے۔

سب سے پہلے قاضی صاحب نے مودبانہ عرض کیا۔

سلطانِ معظم صرف انبیاء علیہ السلام یا پھر ولیوں کے خواب سچ ہوتے ہیں۔ عام دنیا داروں کے خواب محض ان کے لاشعور میں موجود کسی واقعے کی وجہ سے عالمِ وجود میں آتے ہیں۔ تعجب ہے ایک عاقل اور بہادر سلطان صرف خواب کی وجہ سے اتنا پریشان دکھائی دے رہا ہے جس کی شجاعت کی داستانیں کابل سے لیکر ہندوستان تک پھیلی ہوئی ہیں۔

قاضی کے خاموش ہوتے ہی احمد شاہ ابدالی نے رائے دیتے ہوئے کہا۔

سلطان زندگی موت کی امانت ہے اور موت برحق ہے۔ یہ ہر مسلمان کا ایمان ہے۔ جب کہ سلطان کو علم ہے موت خود زندگی کی حفاظت کرتی ہے۔ پھر موت سے خوف کھانے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔ باخدا موت سے دنیا کی کوئی بھی طاقت انسان کو نہیں بچا سکتی لیکن زندگی کی حفاظت کے لیئے سلطان کے گرد معزز ایرانی اور افغان سرداروں کی تلواروں کا ایک مضبوط حصار قائم ہے۔

"ہمیں تم سب لوگوں کی وفاداری پر بھروسہ ہے لیکن پھر بھی احتیاط لازم ہے۔" نادر شاہ نے شہزادے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"شہزادے آج ہی فوری طور پر محل کی محافظ سپاہ کو تبدیل کر کے بھروسے کے آدمیوں کو رکھا جائے۔" پھر اس نے احمد شاہ کو مخاطب کیا۔

احمد شاہ ہم نے قندھار کی طرف سے سرخ آندھی کو اٹھتے دیکھا ہے جس نے کابل کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ہے۔ ہم تمہیں قندھار کا حاکمِ اعلیٰ بنا کر فوری طور پر یہاں سے روانہ کرنا چاہتے ہیں۔ تم ہمارا حکمنامہ حاکم قندھار کے نام لیکر آج ہی روانہ ہو جاؤ۔ انعام الحق تم بھی آج کے بعد حاکمِ اعلیٰ ایران بنا کر بھیجے جا رہے ہو فوراً تیاری کرو۔ شہزادے تم اپنے خاص ملازمین کے ساتھ مل کر اندرونی اور بیرونی سازشوں پر نظر رکھو بہت ممکن ہے اندرونِ ملک کوئی سازش جنم لے رہی ہو۔ ہم اس خواب کو تائید غیبی سمجھ رہے ہیں۔ قدرت نے شاید ہمیں باخبر کرنے

کے لئے ہمیں خواب میں اس کا اشارہ کیا ہے۔

اس کے فوری بعد احمد شاہ ابدالی حاکمِ قندھار بنا کر اور قاضی انعام الحق درانی کو ایران کا والی بنا کر روانہ کر دیا گیا۔

شہزادے نے بلا کسی عذر کے تمام نمک حلال محافظ سپاہ کو تبدیل کر دیا جو سالہا سال سے اِس کام پر معمور تھے اور اِن کی جگہ محض دوسروں کے یقین دلانے پر کہ وہ وفادار نمک حلال ہیں تعنیات کر دیا گیا۔ شہزادے کے پاس ذاتی ذہانت تو موجود نہ تھی وہ اس تمام کام کے لیے اپنے ایک نئے دوست عادل خان پر بھروسہ کر رہا تھا جس نے اپنی چند روزہ دوستی میں شہزادے کو اپنی وفاداری کے جال میں پھنسا لیا تھا جب شہزادے نے ملک کے اندرون ہونے والی سازشوں پر نظر رکھنے کو عادل سے کہا پہلے تو عادل سوچ میں پڑ گیا لیکن جلدی ہی اُس نے اپنی حالت پر قابو پاتے ہوئے شہزادے کو یقین دلا دیا کہ وہ ہر روز بھیس بدل کر اپنے چند رفیقوں کے ساتھ شہر میں پھرا کرے گا تاکہ اگر کسی سازش کا کوئی وجود ہے تو اُسے ختم کر دیا جائے۔ محل کے نئے پہرے دار بھی شہزادے نے اُسی کے ایما پر رکھے تھے۔ در پردہ شہزادے کو عیاشی کی راہ پر لگانے والا یہی دوست نما دشمن تھا جو کابل میں پرورش پانے والی سازش کا سرغنہ تھا۔ یہ شخص شاہ ایران طہماسپ شاہ کا خاص آدمی تھا جسے معزول کر کے نادر شاہ نے سلطنتِ ایران پر قبضہ کر لیا تھا۔ شاہ طہماسپ غائب ہو گیا تھا اور اِس دوران میں دوبارہ تخت و تاج حاصل کرنے کے لئے کوشاں تھا اُسی کے ایما پر دارالسلطنت کابل میں نادر شاہ اور اُس کے بیٹے کو قتل کرنے کی سازش پرورش پا رہی تھی جس کا سرغنہ یہ عادل خان تھا اور جس نے اس سازش کی کامیابی کے لیے شہزادے کی بیوقوفی سے فائدہ اٹھا کر محافظ سپاہ میں سارے ہی اپنے آدمی بھرتی کروا دیئے تھے اور اب اپنے

مشن کی تکمیل کے لیے تیاری کر رہا تھا۔ اُسے خوشی تھی کہ وزیر اعظم قاضی انعام الحق جیسا باخبر ہوشیار اور زیرک آدمی جو اُن کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ تھا خود نادر شاہ کے حکم سے ایران روانہ ہو چکا تھا۔ دوسری بڑی رکاوٹ سپہ سالار احمد شاہ ابدالی تھا اُسے بھی قندھار کا حاکم بنا کر دارالسلطنت سے کوسوں دور بھیج دیا گیا تھا اب سیاہی اور سفیدی کا مالک یہ بیوقوف شہزادہ رہ گیا تھا۔ جسے امورِ سلطنت سے زیادہ عیاشی سے شغف تھا اور اُس کے لیے یہ عیاشی کا سامان عادل خان مہیا کر رہا تھا۔



نادر شاہ کا قتل

یہ ایک تاریک رات تھی۔ آسمان سے چاند اور ستارے سیاہ گھٹاؤں کا لبادہ اوڑھ کر منظرِ عام سے غائب ہو چکے تھے۔ رات کی تاریکی میں ہاتھ کو ہاتھ سجائی نہ دے رہا تھا۔ رات کے سناٹے میں دور دور کتوں کے رونے کی بھیانک آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ پہلے ہوا میں تیزی پیدا ہوئی جس نے آندھی کی صورت اختیار کر لی۔ اس آندھی کی وجہ سے شاہی محل کے کئی فانوس آپس میں ٹکرا کر چکنا چور ہو گئے۔ کئی ایک تیز اور تند ہوا کی پھونکوں سے بجھ گئے۔ لیکن آدھی رات کے وقت محل کے مکین لمبی تانے سو رہے تھے صرف وہ محافظ جاگ رہے تھے جن کو اطلاع مل چکی تھی کہ آج اُس سازش کو عملی جامہ پہنانے کا وقت ہے۔ جو پچھلے کئی ہفتوں سے تیار ہو رہی تھی اور جن کے لئے انہیں یہاں پہنچایا گیا تھا بظاہر محافظ بنا کر۔ آج کی رات بھی شہزادہ اپنی دلہن کو جھوٹ موٹھ کی کوئی داستان سنا کر محل سے غائب تھا اور ایک سجی ہوئی حویلی میں اپنا شبستان سجائے ہوئے تھا جہاں ایک حور شمائل اُسے ارغوانی جام پر جام پیش کر رہی تھی اور یہ شراب شہزادے کو ہوش و حواس سے بیگانہ بنا چکی تھی اور اُس نے اپنا آپ اس حور شمائل کی گود میں ڈال دیا تھا۔ اس زر خرید عورت نے جو ناگن کی طرح خوبصورت اور خطرناک تھی اور جو ایک بھاری رقم معاوضے کے طور پر وصول کر چکی تھی نے اپنا چمکدار خنجر اپنی کمر کی پیٹی سے باہر نکالا اور بڑے ہی اطمینان کے ساتھ اس کی دھار کو شہزادے کی شہ رگ پر پھیر دیا۔

آسمان پر زور سے بجلی کڑکی اور اس کے ساتھ ہی موسلا دھار بارش شروع ہو گئی۔ محل کی دیوار کے کنگروں میں ایک ساتھ کئی کمندیں آ کر اٹک گئیں۔ محافظوں کو پہلے سے مطلع کر دیا گیا تھا۔ لہٰذا چند نقاب پوش خاموشی کے ساتھ رسوں کی مدد سے محل کی دیوار کے ساتھ ساتھ اُوپر چڑھ آئے اور پھر بڑے اطمینان کے ساتھ محافظوں کی راہنمائی میں نادر شاہ درانی کی خوابگاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں موجود تمام محافظ ان کے اپنے آدمی تھے۔ ان نقاب پوشوں میں خود ایران کا معزول بادشاہ شاہ طہماسب اور شہزادے کا دوست عادل خان کے علاوہ چند اور طاقتور ساتھی موجود تھے۔

نادر شاہ اپنی خوابگاہ میں لمبی تانے سو رہا تھا۔ اُس کے پلنگ کے قریب ہی اُس کی شاہی پوشاک اور تاج رکھے ہوئے تھے۔ خوابگاہ کا دروازہ آہستہ سے کھلا۔ شاہ طہماسب۔ عادل خان اور ساتھی بے خوف انداز میں اندر داخل ہوئے کیونکہ انہیں علم تھا رات کے تمام محافظ اُن کے زر خرید غلام ہیں۔ انہوں نے اپنے چہروں کو نقاب سے آزاد کیا۔ اور جا کر نادر شاہ کے پلنگ کے قریب پہنچ گئے۔ عادل خاں نے جونہی اپنی کمر کی پیٹی سے خنجر کو نکالا تاکہ ایک ہی وار سے نادر شاہ کا خاتمہ کر دے شاہ طہماسب نے اُسے روک دیا۔ اسی وقت ایک زور دار آواز کے ساتھ بجلی چمکی اور دور کہیں کسی کتے کے رونے کی آواز سنائی دی اس کے۔ ساتھ ہی نادر شاہ کی آنکھ کھل گئی۔ ایک ساتھ کئی تلواریں حرکت میں آ گئیں لیکن سب کو اشارے سے شاہ طہماسب نے روک دیا۔ نادر شاہ نے حیرت اور خوف کے ملے جلے جذبات کے ساتھ شاہ طہماسب کو دیکھا اور سوال کیا۔

شاہ طہماسب تم ..... ابھی تک زندہ ہو۔

شاہ نے طنزیہ مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

ہاں نادر شاہ حالانکہ تم نے مجھے نہ صرف تخت سے معزول کر دیا تھا بلکہ مجھے قتل کر دینے کا حکم بھی صادر کیا تھا۔ اس کو پہچانتے ہو۔ شاہ طہماسپ نے ایک قوی ہیکل ساتھی کی طرف اشارہ کیا۔

ہاں یہ ہیبت خاں ہے اور اسے ہی وفادار سمجھ کر میں نے تمہارے قتل پر مامور کیا تھا لیکن اس نے نمک حرامی کی۔ نادر شاہ نے کہا تو شاہ طہماسپ نے جواب دیا۔

نمک حرامی نہیں نادر شاہ نمک حلالی کہو دراصل یہ ظاہری طور پر تمہارا غلام تھا لیکن حقیقت میں میرا ہی نمک حلال تھا لہذا اس نے حق نمک ادا کیا۔

نادر شاہ نے پلنگ سے اٹھتے ہوئے غصے سے جواب دیا۔ کوئی بات نہیں اب اسے نمک حرامی کی پوری پوری سزا دی جائے گی۔ اور تم شاہ طہماسپ آج تک زندہ تھے یہاں آ کر تم نے دوبارہ اپنی موت کو آواز دی ہے۔

نادر شاہ نے تالی بجائی تو یہاں موجود سب نے قہقہہ بلند کیا۔ نادر شاہ نے غصے کے ساتھ دروازے کی طرف دیکھا۔ چند محافظ اندر داخل ہوئے۔ نادر شاہ نے بلند آواز میں حکم دیا۔

ان سب کو گرفتار کر لو۔

لیکن محافظ اپنی جگہ کھڑے رہے انہوں نے کوئی حرکت نہ کی تو نادر شاہ جلالت میں آ گیا اور اس نے چیخ کر کہا۔

میں حکم دیتا ہوں ان سب کو گرفتار کر لو۔

تمسخر اڑانے والے قہقہے دوبارہ بلند ہوئے لیکن محافظ ٹس سے مس نہ ہوئے تو شاہ طہماسپ نے کہا۔

نادر شاہ اس دن کے لیے میں نے برسوں انتظار کیا ہے۔ آج اس محل سے دو جنازے اٹھیں گے۔ ایک شاہ افغانستان نادر شاہ کا اور دوسرا ولیعہد سلطنت کا جس بیوقوف شہزادے کے ہم مشکور ہیں کہ اس نے ہمارا سفر آسان کر دیا اور میرے اس ادنیٰ غلام عادل شاہ کے مشورے پر رات کے تمام محافظ تبدیل کر کے میرے نمک حلال ملازموں کو ان کی جگہ ملازم رکھ لیا اور اپنی سلطنت کی بجائے اپنا شبستان آراستہ کرنے میں وقت ضائع کرتا رہا۔ وہ بے عقل ایک آبرو باختہ حسین عورت کی آغوش میں دم توڑ چکا ہو گا اور اب تمہاری باری ہے۔ پھر اس سے پہلے کہ نادر شاہ کا ہاتھ دیوار سے ٹنگی تلوار تک پہنچے ایک ساتھ کئی تلواریں چمکیں اور اس کے جسم کے پار ہو گئیں ایک کراہ کے ساتھ وہ پلنگ سے فرش پر بچھے ہوئے قالین پر گرا اور تڑپنے لگا۔ شاہ طہماسپ نے کوہ نور ہیرا جڑا ہوا تاج اٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا۔ سارے ہی ساتھیوں نے شاہ طہماسپ زندہ باد کا نعرہ بلند کیا لیکن پھر ایک عجیب ہی واقعہ رونما ہوا کھلی ہوئی کھڑکی سے کوئی نقاب پوش تیر کی طرح کمرے میں داخل ہوا اس سے پہلے کہ شاہ طہماسپ اور اس کے ساتھی حیرت کے سمندر سے نکلیں ایک بار پھر تلوار بجلی کی طرح چمکی اور تاج سمیت شاہ طہماسپ کا سر کٹ کر نادر شاہ کے پاس گرا۔

تڑپتے اور دم توڑتے ہوئے نادر شاہ کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی اور پھر اس نے دم توڑ دیا۔ آندھی اور طوفان کی طرح چند سیاہ پوش کمرے میں داخل ہوئے۔ رات کے سناٹے میں تلواریں چلتی رہیں اور سر کٹتے رہے یہاں تک کہ شاہ طہماسپ کے سارے ہی ساتھی اس کے ساتھ ہی ملک عدم کو سدھار گئے۔ ایک نسوانی چیخ کے ساتھ ہی ایک نقاب پوش نے اپنی نقاب نوچ کر پھینک دی اور وہ نادر شاہ کی لاش پر گر گئی۔ اسکی بہو اور شہزادے بہادر شاہ کی ہندوستانی بیوی شہزادی گلنار تھی۔

شہزادی گلنار اپنے ساتھیوں کے ہمراہ یہاں کیسے پہنچ گئی تو اُس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔
شہزادے بہادر شاہ کی مسلسل بہانے بازیوں اور رات بھر غائب رہنے کی عادت سے تنگ آکر شہزادی گلنار نے اپنے ایک وفادار غلام کافور حبشی کو شہزادے کی خفیہ نگرانی پر مامور کر رکھا تھا۔ آج ہی کافور نے شہزادی کو اطلاع دی تھی کہ شہزادے نے اپنی پرانی حویلی میں ایک شبستان قائم کر رکھا ہے جہاں وہ حسین عورتوں اور شراب سے رات بھر دل بہلاتا رہتا ہے۔ لہذا آج رات شہزادی گلنار نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ عین موقع پر شہزادے کو جا پکڑے گی۔ لہذا اُس نے رات کے وقت اپنے آپ کو سیاہ نقاب میں چھپا لیا اور چند جانثار ملازموں کے ساتھ مسلح ہو کر کافور کی قیادت میں اپنی خوابگاہ سے نکلی۔ جونہی وہ کمرے کے باہر برآمدے سے گزر رہی تھی زور سے بجلی چمکی اور پھر اُس نے چند نقاب پوشوں کو نادر شاہ کے کمرے میں جاتے دیکھ لیا۔ اُسے پہنچنے میں ذرا تاخیر اس لیے ہوئی کہ اُسکی راہ میں محافظ حائل ہو گئے چونکہ وہ نقاب میں تھی اس لئے اُسے محافظوں کو چکر دے کر کھڑکی کے راستے آنا پڑا اسی تاخیر کی وجہ سے بادشاہ کی جان گئی اگر وہ پہلے ہی اپنے آپ کو ظاہر کر دیتی تو بہت ممکن تھا خریدے ہوئے محافظ اس بروقت مداخلت کی اطلاع شاہ طہماسپ کو دے دیتے اور نادر شاہ کی جان بچ جاتی۔ اب صورت حال یہ تھی کہ نادر شاہ کے چاروں طرف طہماسپ اور ساتھیوں کی لاشیں بکھری پڑی تھیں۔ جبکہ شہزادی نے طہماسپ کے کٹے ہوئے سَر سے کوہ نور جڑا ہوا تاج اتار لیا تھا وہ یہ تاج اپنے شوہر کے سر پر رکھنا چاہتی تھی لیکن صبح ہوتے ہی شہزادے بہادر شاہ کی لاش بھی محل میں پہنچ گئی تو یہاں کہرام مچ گیا۔ پھر یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی۔ افغانستان کا تخت خالی پڑا تھا۔ سرکش سردار اپنے اپنے صوبوں میں اپنی خود مختاری کا اعلان کر رہے تھے لیکن یہاں موجود چند وفادار سرداروں نے وقتی طور پر اس تخت پر شہزادی گلنار کو بٹھا دیا تھا۔ لیکن باغی

سردار عورت کی حاکمیت کب قبول کرتے تھے لہذا مختلف سرداروں میں اقتدار کی رسہ کشی شروع ہو گئی اور انہوں نے اپنی اپنی فوجوں کے ساتھ دارالسلطنت کی طرف پیشقدمی شروع کر دی۔
جونہی یہ خبر قندھار میں احمد ابدالی تک پہنچی اُس نے فوراً اپنی آزمودہ کار فوج کو تیاری کا حکم دیا اور پھر وہ آندھی اور طوفان کی طرح کابل کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے میں مختلف صوبوں کے حاکموں کے ساتھ اُس کا مقابلہ ہوا اور وہ اپنے راستے کی رکاوٹوں کو کاٹتا چھانٹتا آگے اور آگے ہی بڑھتا رہا۔ اُس کے نصیب یاور تھے فتح اور نصرت ہاتھ باندھے اُس کے ہمرکاب تھیں اس لیے وقت کا کوئی بھی طوفان اُس کی راہ میں حائل نہ ہو سکا۔
دوسری طرف قاضی انعام الحق درانی ایرانی شاہسواروں کے ساتھ ایران سے نکل کر کابل کی طرف روانہ ہوا۔ راستے میں مختلف مزاحمتوں اور بغاوتوں کو فرو کرتا ہوا سیلاب کے پانی کی طرح کابل میں داخل ہوا۔ اتفاق سے ایک ہی وقت میں احمد شاہ ابدالی کی افغان فوج اور قاضی انعام الحق کے ایرانی بہادر سردار کابل میں داخل ہوئے اور دونوں فوجیں آپس میں مل گئیں۔ دونوں فوجیں شہر سے باہر آمنے سامنے صف آرا ہو گئیں لیکن ایک طرف سے احمد شاہ ابدالی اور دوسری طرف سے قاضی انعام الحق درانی گھوڑے دوڑاتے ہوئے ایک دوسرے کے قریب آئے اور پھر دونوں ہی بغلگیر ہو گئے۔
دونوں فوجوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ جونہی دونوں فوجیں شہر پناہ کے باہر پہنچیں شہزادی گلنار نے فصیل پر موجود توپوں کے درمیان سے دیکھا جہاں توپچی بارود کو آگ دکھانے کے لیے جلتی ہوئی مشعلیں تھامے کھڑے تھے اور شہر کے صدر دروازے کے اندر نادر شاہ کی مخصوص فوج جس میں ایرانی اور افغان دونوں قوم کے سردار اور جانباز موجود تھے اپنے گھوڑوں پر مسلح حکم کے منتظر تیار کھڑے تھے۔

اِس سے پیشتر کے دونوں طرف سے جنگ کی کوئی بھی فریق ابتداء کر دے۔

قاضی انعام الحق درانی اور احمد شاہ ابدالی دونوں ہی صلح کے سفید جھنڈے اُٹھائے دروازے کی طرف بڑھے۔ یہ دیکھ کر شہزادی گلنار جو خود بھی فوجی لباس میں تھی کی تنی ہوئی بھویں ڈھیلی پڑ گئیں۔ احمد شاہ ابدالی نے فصیل کے نیچے آکر شہزادی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

ہمشیرہ عزیزہ ہم جنگ کرنے نہیں بلکہ کابل کے تخت کی حفاظت کے لئے آئے ہیں۔ ہم حق نمک ادا کرنے آئے ہیں لہذا شہر پناہ کا دروازہ کھول دیا جائے۔

شہزادی گلنار احمد شاہ ابدالی کے رتبے اور عہدے سے واقف تھی۔ اُس کے کردار اور اخلاق کی وجہ سے وہ احمد شاہ کی بے پناہ عزت کرتی تھی۔ احمد شاہ نے جو اُسے ہمشیرہ عزیزہ کہہ کر مخاطب کیا تو اُس کا دل بھر آیا۔ وطن سے کوسوں دور بے وطن اور بیوہ شہزادی کا اس ملک میں کوئی بھی اپنا نہ تھا۔ اُس نے رقت آمیز آواز کے ساتھ جواب دیا۔

برادرِ محترم میں آپ کی شجاعت آپ کے رتبے اور آپ کے کردار کی مداح ہوں۔ بدقسمتی یہ ہے کہ نادر شاہ بابا کی وفات کے بعد اپنے بھی دشمن بن گئے ہیں آپ کو شاید علم نہیں تمام صوبوں کے حاکم بغاوت پر آمادہ ہو کر فوج کشی کے ارادے سے کابل کی طرف پیشقدمی کر رہے ہیں۔

اس کا جواب احمد شاہ ابدالی کی بجائے آگے بڑھ کر قاضی انعام الحق درانی نے دیتے ہوئے کہا۔

بیٹی ہمیں علم ہے بلکہ ہم راستے میں ان باغیوں کا سر کچلتے ہوئے یہاں تک پہنچے ہیں تاکہ تخت و تاج کی حفاظت کر سکیں دیر مت کرو فوراً دروازہ کھول دینے کا حکم کرو۔ سلطنت کا شیرازہ بکھرنے سے بچانے کے لئے ابھی ہمیں بہت سے کام سرانجام دینے ہیں۔

جب ایک نے بہن اور دوسرے نے بیٹی کہہ کر مخاطب کیا تو شہزادی گلنار کے دل میں تمام وسوسے ختم ہو گئے اور اُس نے شہر پناہ کا دروازہ کھولنے کا حکم صادر کیا۔ اور اس طرح احمد شاہ ابدالی اور قاضی انعام الحق کی فوجیں بھی نادر شاہ کے مخصوص فوجی دستوں میں آملیں۔ اُسی وقت دیوان خاص میں تمام موجود سرداروں کی مشاورتی کمیٹی حالاتِ حاضرہ پر غور کرنے کے لیے بیٹھ گئی جن میں شہزادی گلنار بھی موجود تھی اور سب سے پہلے اُسی نے ایوان میں موجود سرداروں کو خطاب کرتے ہوئے کہا۔ معزز سردارو مجھے علم ہے افغان اور ایرانی سردار کسی بھی قیمت پر عورت کی حاکمیت قبول نہیں کرتے ہونا بھی ایسا ہی چاہیئے۔ لہذا میں اپنے اس حق سے دست بردار ہوتی ہوں۔ میرے بعد صرف دو ہستیاں ایسی ہیں جن پر نادر شاہ بابا کو بھروسہ تھا اور وہ ہیں محترم قاضی انعام الحق درانی اور برادرِ محترم احمد شاہ ابدالی۔ میری نظر میں یہ دو محترم سردار ایسے ہیں جو اس حکومت کی ذمہ داریاں سنبھال سکتے ہیں اب آپ سب سردار ان دونوں میں سے کسی ایک کے حق میں فیصلہ کر لیں تاکہ میں نادر شاہ بابا کا یہ تاج جو میرے پاس امانت ہے اپنے ہاتھوں ہونے والے بادشاہ کے سر پر سجا دوں۔

ایک سردار نے کہا۔

آپ اپنی رائے سے بھی ہمیں مطلع کریں جہاں تک بادشاہت کا تعلق ہے ہم سب تقریباً اس بات پر متفق ہیں کہ بلاشبہ ان دونوں میں سے ہی کوئی ایک بادشاہ ہونا چاہیئے۔

شہزادی گلنار نے انکساری سے جواب دیا۔

معزز سرداران میں سے ایک نے مجھے بیٹی اور دوسرے نے مجھے ہمشیرہ کہا ہے آپ ہی بتائیں ایک بیٹی اپنے باپ اور بھائی میں سے کس کے حق میں فیصلہ دے سکتی

ہے۔ میرے بیٹے ایک دائیں آنکھ ہے اور دوسری بائیں مہربانی فرما کر یہ فیصلہ آپ لوگ ہی بہتر کر سکتے ہیں۔

پھر اس سے پہلے کے سرداروں میں رائے زنی پر تکرار شروع ہوا احمد شاہ ابدالی نے اُٹھ کر کہا۔

بھائیو میں محترم قاضی انعام الحق درانی صاحب کے حق میں دست بردار ہوتا ہوں اور اپنی طرف سے انہیں افغانستان کا بادشاہ تسلیم کرتا ہوں۔

اس سے پہلے کہ احمد شاہ ابدالی کے اس فیصلے پر تمام سردار اُس کی دانشمندی اور معاملہ فہمی کی داد دیں۔ قاضی صاحب نے انہیں خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور پھر کہا۔

دوستو! اور افغانستان کے تخت کے وفادارو۔ احمد شاہ ابدالی پوری افغانستان کی فوج کے سپہ سالار۔ تجربہ کار سیاست دان اور بہادر سپاہی رہ چکے ہیں۔ میں نے خود نادر شاہ درانی کے مونہہ سے کہتے سنا ہے کہ میرے بعد اگر کوئی افغانستان کے تاج و تخت کا مالک ہو سکتا ہے تو وہ احمد شاہ ابدالی ہے جس میں ایک بہادر بادشاہ ہونے کے ساتھ ساتھ حکومت کے رموزِ سیاست کو سمجھنے کی تمام تر صلاحیتیں موجود ہیں لہذا میں احمد شاہ کو اپنے سے بہتر فرمانروا محسوس کرتے ہوئے آپ سب صاحبان سے درخواست کرونگا کہ بادشاہیت کا تاج ان کے سر پر سجایا جائے

سب سرداروں کے متفق ہوتے ہی شہزادی گلنار نے اپنے ہاتھوں سے تاجِ شاہی اپنے بھائی احمد شاہ ابدالی کے سر پر سجا دیا۔ ۱۷۴۷ء میں احمد ابدالی نے تخت پر بیٹھتے ہی شہزادی گلنار کا وظیفہ مقرر کر دیا اور اُسے ہمشیرہ عزیزہ کا خطاب دے کر نہایت عزت اور احترام کے ساتھ شاہی محل میں رہنے کی اجازت دے دی۔ اس کے بعد ہی اُس نے تمام صوبوں کے حاکموں کے نام دعوت نامے تحریر کر کے روانہ کئے اور انہیں حکم دیا گیا کہ وہ آ کر نئے بادشاہ کے سامنے حلفِ وفاداری اُٹھائیں ورنہ اُن کے خلاف فوجی کارروائی کی جائے گی۔ وزارتِ عظمیٰ کا قلمدان اُس نے قاضی انعام الحق درانی کے سپرد کیا اور پھر سلطنت کے انتظامات میں از سرِ نو مصروف ہو گیا۔ وہ جب بھی کسی بغاوت کو کچلنے کے لئے کابل سے باہر جاتا اُس کی جگہ قاضی انعام الحق درانی قائم مقام بادشاہ کے فرائض سرانجام دیتا کیوں کہ احمد شاہ ابدالی نے سپہ سالار کا عہدہ بادشاہ ہونے کے باوجود اپنے پاس رکھا تھا۔

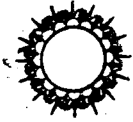


ہندوستان پر احمد شاہ ابدالی کی فوج کشی

نادرشاہ کی وفات کے بعد ہندوستان کا بادشاہ محمد شاہ اپنے معاہدے سے منحرف ہو گیا جو اُس نے نادرشاہ سے پنجاب کے علاقے سے بیس لاکھ سالانہ ادا کرنے کا کر رکھا تھا۔ احمد شاہ کا ایلچی جو یہ رقم وصول کرنے کے لئے لاہور روانہ کیا گیا تھا جب بے نیل و مرام واپس آیا تو احمد شاہ ابدالی کو اِس بد عہدی پر بہت غصہ آیا اور اُس نے ہندوستان پر حملہ کرنے کی تیاری شروع کر دی۔

جونہی اس حملے کی تیاری کا حاکم لاہور کو علم ہوا اُس نے فوراً دربار شاہی میں اطلاع بھجوا کر امداد طلب کر لی چونکہ حاکم تورانی گروپ کا تھا لیکن دربار پر ایرانی سرداروں کا اثر رسوخ زیادہ تھا اس لیے امداد کے لیئے لیت و لعل سے کام لیا جانے لگا یہاں تک کہ احمد شاہ ابدالی کے ہراول دستے آندھی اور طوفان کی طرح لاہور کے قریب پہنچ گئے۔ حاکم لاہور نے امداد سے مایوس ہو کر اپنی معمولی فوج کے ساتھ مقابلہ کیا لیکن احمد شاہ کی فوج کے سامنے نہ ٹھہر سکے اور افغانستان کی فوج انہیں شکست فاش دے کر لاہور پر قبضہ کرنے کے بعد آگے بڑھی۔

اس وقت مغل سلطنت کا وزیر اعظم قمرالدین تھا جب اُس نے دیکھا کہ احمد شاہ طوفان کی طرح دہلی کی طرف بڑھتا آ رہا ہے تو اُس نے محمد شاہ کی اجازت سے شاہی فوج کے ساتھ پیشقدمی کی۔ فوج کا سپہ سالار قمرالدین کا بیٹا معین الملک تھا جو بہت بہادر شمشیر زن تھا۔ لہٰذا احمد شاہ ابدالی اور معین الملک کی فوجوں کا تصادم منو پور کے مقام پر ہوا۔ گھمسان کی جنگ ہوئی معین الملک کی امداد کے لیئے بذات خود اُس کا والد قمرالدین ایک بھاری فوج لیکر افغانستان کی فوج پر ٹوٹ پڑا جس سے افغان سپاہیوں کے قدم میدان سے اکھڑ گئے۔ لیکن اس مقابلے میں قمرالدین وزیرِ مملکت کام آگیا۔ مغل فوجوں کو فتح نصیب ہوئی۔ فتح کے باوجود محمد شاہ کو اپنے وفادار وزیر کی موت کا اسقدر غم ہوا کہ وہ خود بھی وفات پا گیا۔



محمد شاہ کے بیٹے احمد شاہ کی تخت نشینی

محمد شاہ کی وفات کے بعد اُس کے بیٹے احمد شاہ کو ۱۷۴۸ء میں ایرانی جماعت کے امراء نے تختِ ہندوستان پر بیٹھایا۔ لیکن وہ باپ سے بھی زیادہ رنگین مزاج ثابت ہوا حکومت سے زیادہ اُسے حرم کی عورتوں سے دلچسپی تھی۔ ان حالات کو دیکھتے ہوئے عنانِ حکومت اُسکی ماں اور داروغہ سرا جاوید خاں کے ہاتھ میں رہی۔ وزارت کا قلمدان اب ایرانی جماعت کے امیر صفدر جنگ (والیٔ اودھ) کے ہاتھ میں تھا جسے دوبارہ دکن سے بلالیا گیا تھا۔ بادشاہ کے شب و روز عیش و نشاط میں گزر رہے تھے۔ دوسری طرف دربار سازشوں کا اکھاڑہ بنا ہوا تھا۔ جہاں ایرانی اور تورانی امرا میں وزارت کے لیے رسہ کشی ہو رہی تھی۔ تورانی امراء صفدر جنگ کی بجائے اپنے قائد عماد الملک کو وزیر اعظم بنانا چاہتے تھے۔ دونوں گروپ بادشاہ کی دن رات کاسہ لیسی میں مصروف تھے جب کہ بادشاہ کی اپنی کوئی رائے نہ تھی وہ ہوش میں کم اور بے ہوشی میں زیادہ وقت گزارتا تھا۔ اُسے درباری محفلوں کی بجائے رقص و سرور کی محفلیں زیادہ پسند تھیں۔ اُس کی ماں نے بہت کوشش کی کہ بیٹا راہِ راست پر آجائے۔ اور حکومت کے کاموں میں دلچسپی لے لیکن اُس کی ممتا گمراہ بیٹے کی تقدیر نہ بدل سکی۔ احمد شاہ دونوں ہاتھوں سے شاہی خزانے کی دولت شباب اور شراب کی رعنائیوں پر خرچ کر رہا تھا اور اپنے اجداد کے لگائے ہوئے اس تناور درخت کی مزید جڑیں کھوکھلی کر رہا تھا جسکی چھاؤں میں شاہانِ مغلیہ نے ہندوستان پر صدیوں حکومت

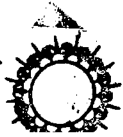
کی تھی۔ گو سلطنت کا شیرازہ بکھر چکا تھا صرف اب مغلیہ خاندان کے نام کا بھرم رہ گیا تھا۔ لیکن یہ بادشاہ اپنے کردار سے اس بھرم کو ختم کرنے پر تلا ہوا تھا۔ شہنشاہ جہانگیر کے محلات میں لگائے ہوئے میزانِ عدل میں بیٹھ کر اب رقاصائیں جھولے جھولا کرتی تھیں۔ جن کے اتار چڑھاؤ کو دیکھ کر بوڑھی ماں خون کے آنسو رو رہی تھی۔ محل میں دن رات ناچنے گانے والیوں کا اضافہ ہو رہا تھا۔ اُن کے باپ اور بھائیوں کو بڑے بڑے خطابوں سے نوازہ جا رہا تھا۔ احمد شاہ کے دل و دماغ پر ایک مطربہ چاندنی کا قبضہ تھا جسے احمد شاہ نے نورجہاں کے خطاب سے نواز رکھا تھا۔ یہ عورت اتنی مونہہ چڑھی تھی کہ جب بھی کسی موقع پر دربار میں بادشاہ کی اہم ضرورت ہوتی یہ عورت تخت شاہی کے پیچھے بالکل ملکہ نورجہاں کی طرح احمد شاہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بیٹھتی اس کی بڑی وجہ احمد شاہ کی ہر وقت مدہوشی بھی تھی۔ جب بھی کسی اہم فیصلے کا وقت آتا یہ عورت بادشاہ کا کندھا دبا کر اُس کے کان میں سرگوشی کرتی اور بادشاہ اُس کے الفاظ درباریوں کے سامنے دہرا دیتا۔ اگر امرا میں اختلاف نہ ہوتا تو اب تک اس کی حکومت کا تختہ الٹ چکا ہوتا۔ اس کے باوجود ایرانی اور تورانی امرا ان چھچھوری حرکتوں پر کافی سیخ پا تھے حکومت کی گرتی ہوئی دیوار کو سہارا دینے کی صفدر جنگ بے پناہ کوشش کر رہا تھا۔ شاہی خزانہ خالی ہو چکا تھا حکومت کے کاروبار کو چلانے کے لیے صفدر جنگ نے مرہٹوں سے مالی امداد حاصل کرنے کے لیے پنجاب کے بیشتر حصے یہاں تک کے دوآب کا بھی ایک حصہ ان کو لکھ کر دے دیا۔ احمد شاہ ابدالی ایک دفعہ پھر اپنی شکست کا بدلہ لینے کے لئے جنگی تیاریاں کر رہا تھا۔ لہذا احمد شاہ سے اپنی سلطنت کی تباہی کو بچانے کیلئے صفدر جنگ نے مرہٹوں سے فوجی امداد بھی طلب کر لی اور ایک کثیر رقم اور علاقے کے بدلے پیشوا نے وقت ضرورت امداد دینے کا وعدہ کر لیا۔

یلغار

افغانستان کی حکومت سے پنجاب کا کٹ جانا احمد شاہ ابدالی کے لیے عزت کا مسئلہ بن گیا تھا۔ اس نے پہلا حملہ ہندوستان پر ۱۷۴۸ء میں کیا تھا جس میں اسے شکست کھا کر پنجاب سے دست بردار ہونا پڑا تھا جسے اس کے پیش رو حکمران نے بزورِ شمشیر سرنگوں کیا تھا اور تلوار کی نوک سے خراج وصول کیا تھا۔ وہ زخمی شیر کی طرح اپنے زخم چاٹ رہا تھا اور اب اس نے زبردست جنگی تیاریاں کر لی تھیں وہ ہر قیمت پر پہلی شکست کا بدلہ لینا چاہتا تھا۔ اس کا حریف معین الملک آج بھی صوبہ پنجاب کا حاکم تھا۔ اس نے بھرے دربار میں ایرانی اور افغانی سرداروں کو شرم دلائی تھی اور اب ان سب نے اس کے روبرو حلف اٹھایا تھا کہ خواہ کچھ بھی ہو جائے وہ اس مرتبہ مغل پرچم کو سرنگوں کر کے دم لیں گے۔

۱۷۴۹ء کو احمد شاہ ابدالی اپنا لشکر جرار لے کر یلغار کرتا ہوا پنجاب کی طرف بڑھا۔ معین الملک نے اس طوفان کو اپنی سمت آتے دیکھا تو دربار مغلیہ سے امداد طلب کی۔ دربارِ مغلیہ تو سیاسی اکھاڑہ بنا ہوا تھا اس لئے کسی کے کان پر جوں تک نہ رینگی۔ اس لئے کہ معین الملک تورانی گروپ سے تعلق رکھتا تھا جبکہ دربار میں ایرانی امراء برسرِ اقتدار تھے۔ امداد سے مایوس ہو کر بل آخر بہادر اور شجاع سردار اپنی مٹھی بھر فوج لے کر اس طوفان کی راہ میں حائل ہو گیا جس کا رخ سلطنت مغلیہ کے دارالسلطنت دہلی کی سمت تھا۔ ایک دفعہ پھر دونوں فوجوں میں گھمسان کا رن پڑا۔ تلواریں قضا بنکر چلتی رہیں۔ دونوں طرف کی سپاہ دادِ شجاعت دیتی رہی لیکن احمد شاہ ابدالی کی کثیر فوج نے بل آخر مٹھی بھر سپاہیوں کو کاٹ پھینکا۔ حاکم پنجاب کو شکست فاش ہوئی۔ بل آخر اس نے شمالی مغربی پنجاب کے چار اضلاع سیالکوٹ۔ امین آباد پسرور اور اورنگ آباد احمد شاہ ابدالی کے حوالے کر دیئے۔

احمد شاہ ابدالی بالغ النظر سیاست دان تھا۔ اس نے اپنی شکست کا بدلہ لے لیا تھا اسی چیز کے پیشِ نظر اس نے اتنی بڑی فوج کے ساتھ اتنی دور کا سفر کرنا نقصان دہ خیال کیا۔ پھر اس کی راہ میں مرہٹے بھی حائل تھے جو خود بہت بڑے لٹیرے اور ڈاکو تھے بغیر کسی حصول مقصد کے لیے اس نے مزید جنگ جاری رکھنا پسند نہ کیا وہ خواہ مخواہ اپنی فوج کو کٹوانے کے حق میں نہ تھا لہٰذا وہ دہلی جانے کی بجائے پنجاب سے ہی واپس لوٹ گیا۔



تحریکِ سرفروشاں

دہلی کے تخت پر احمد شاہ جیسے اوباش اور نا عافیت اندیش فرمارواکی حکومت سے نہ صرف درباری امرأ سیخ پا تھے بلکہ رعایا میں بھی اضطراب پھیل چکا تھا۔ ہر طرف طوائف الملوکی کا دور دورا تھا۔ ایک طرف احمد شاہ ابدالی کے حملے تھے وہ ابھی تک دہلی تک تو نہ آیا تھا لیکن اس سے قبل نادر شاہ کے قتل عام کو دہلی کی رعایا ابھی تک نہ بھولی تھی۔ دوسری طرف تمام صوبوں کے مسلمان حاکم ایک اسلامی سلطنت کو مرہٹوا کے قبضے میں جاتا دیکھ کر ہاتھ مل رہے تھے جو چوتھ اور سردیش مکھی کے حقوق حاصل کرنے کے بعد ملک میں وسیع پیمانے پر لوٹ مار کر رہے تھے۔ راجپوت راجاؤں نے بھی عہد و پیمان توڑ دیئے تھے۔ شمالی برصغیر میں جاٹوں اور سکھوں نے بھی سر اٹھانا شروع کر دیا۔ مغل سلطنت کی کمزوری سب پر عیاں تھی۔ مغل عظمت کی گرتی ہوئی عمارت کو سہارا دینے کے لیے وزیر اعظم صفدر جنگ کو مجبوراً مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کا سہارا لینا پڑا۔ مرہٹے اخلاقی طور پر اتنے پست تھے کہ اس دوستی کے باوجود وہ سلطنتِ مغلیہ کے علاقوں میں لوٹ مار کو جائز سمجھتے تھے اور اپنے پرائے میں کوئی تمیز نہ رکھتے تھے۔ وہ مسلمانوں کو بھی لوٹتے تھے اور ہندوؤں کو بھی یہاں تک کے کھیتوں کو جلا دینا اور عورتوں کو بے آبرو کرنے میں بھی تعامل نہ کرتے تھے۔ اُن کا مقصد ہندوستان میں مرہٹہ ایمپائر قائم کرنا تھا وہ پورے ہندوستان

پر حکومت کا خواب دیکھ رہے تھے۔

مغل وزیر اعظم صفدر جنگ مجبور تھا وہ مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی طاقت سے خائف بھی تھا اور ان سے امداد طلب کرنے پر مجبور بھی تھا۔ خزانہ خالی ہونے کی وجہ سے اس نے مرہٹوں کو مختلف علاقوں سے زرعی ٹیکس یا مالیہ وصول کرنے کی اجازت دے رکھی تھی جس کے بہانے وہ رعایا کو لوٹ بھی رہے تھے اور اُن کی عزتیں بھی پامال کر رہے تھے اس لیئے رعایا کو مرہٹوں کے ساتھ ساتھ صفدر جنگ سے بھی شدید نفرت پیدا ہو گئی تھی۔ جب عوام کی عزتیں دولت اور زندگیاں خطرے میں پڑ گئیں تو انقلاب نے جنم لیا۔ نوجوانوں نے وقت کے جید عالم دین احمد اللہ شاہ کی قیادت میں ایک منظم جماعت سرفروشاں قائم کی۔ اس کے تمام ممبر سر پر کفن باندھ کر گھروں سے نکل کر اس درویش کی خانقاہ میں جمع ہو گئے گویا یہ خانقاہ ہی اِس تحریکِ سرفروشاں کا ہیڈ آفس تھا۔ اِس تحریک کا مطالبہ تھا کہ اسلامی حکومت تمام صوبوں کے گورنروں اور حاکموں کے باہم اتفاق سے سلطنتِ مغلیہ کے تخت پر کسی ہوشمند بادشاہ کو بٹھائے۔ اسلامی حکومت کو اتنا مضبوط کیا جائے کہ اُسے مرہٹوں کی ضرورت ہی محسوس نہ ہو۔ حکومتِ وقت مرہٹوں سے قطع تعلق کر کے اِن کو سلطنتِ مغلیہ کی حدود سے نکل جانے کا حکم دے اور بزورِ شمشیر اِن کو سلطنت کی حدود سے نکال باہر کیا جائے۔ سلطنت کے مسلمان گورنروں و صوبے داروں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانا صفدر جنگ کی مصلحت کے خلاف تھا وہ اِن مسلمان حاکموں کو اپنے اقتدار کا دشمن تصور کرتا تھا۔ اِس لئے تحریکِ سرفروشاں اور اِن کا قائد احمد اللہ شاہ اُسے کانٹے کی طرح کھٹک رہا تھا۔ لیکن وہ اِس پر آشوب دور میں اس عالم دین پر ہاتھ ڈالتے ہوئے گھبراتا تھا۔ وہ جانتا تھا مذہب کے نام پر قائم ہونے والی اِس جماعت کا سردار وہ آہنی چٹان ہے جس سے ٹکرا کر وہ پاش

پاش ہو جاتے۔ رعایا کی بغاوت کے پیشِ نظر وہ خاموش تھا۔ عملی طور پر سرفروشاں جماعت کی قیادت احمد اللہ شاہ کے ایک خاص مرید مُراد کے سپرد تھی۔ جو تعلیم یافتہ ہونے کے ساتھ ساتھ نوجوان بہادر اور خوبصورت بھی تھا۔ اور خالص مذہبی خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ ایک غریب اندھی ماں کا اکلوتا بیٹا تھا جو حافظ قرآن تھی اور محلے کی تمام بچیوں کو قرآن پاک پڑھاتی تھی۔ محلے کے دولت مند گھرانوں سے زیادہ اِ گھرانے کی عزت تھی سب چھوٹے بڑے اُسے بی بی صاحبہ کے نام سے پکارتے تھے۔ بی بی صاحبہ کی بیٹی سلمیٰ جو مراد کی بہن تھی محلے بھر کے کپڑے سی کر گھر کی کفالت کر رہی تھی۔ مراد پڑھا لکھا ہونے کے باوجود حکومت کی نوکری کے لیے تیار نہ تھا۔ ویسے بھی مصلحت پسندی کے دور میں حق کی بات کہنے والوں ک صاحب اقتدار طبقہ کب پسند کرتا ہے۔ اس شعلہ بیان نوجوان کی تقریروں ن ملک بھر کو بیدار کر کے رکھ دیا تھا اور وہ ظلم کے خلاف سینہ سپر ہو گئے تھے۔ اِ نوجوان کے دلائل افکار اور سیاسی شعور اتنا مضبوط تھا کہ خود اُس کی اندھی ماں نوجوان بہن نے غربت اور افلاس کے باوجود اُسے اس تحریک میں شامل ہونے کی اجازت دے دی تھی۔ بی بی صاحبہ کو پورا بھروسہ تھا کہ احمد اللہ شاہ جیسے ر کی موجودگی میں اُس کا بیٹا گمراہ نہیں ہو سکتا۔ ویسے بھی احمد اللہ شاہ اس گھرا کے مرشد تھے اور اُن کے ہی اشارے پر بیوہ ماں نے اپنے لختِ جگر کو آگ کے دریا میں کودنے کی اجازت دے دی تھی۔ یہاں تک کہ بی بی صاحبہ بیماری کے دوران جب مراد احمد اللہ شاہ کے ساتھ ماں کی عیادت کو گھر آیا ت شاہ نے اُسے کہا۔

بیٹا مراد تم چاہو تو چند روز کے لیے بی بی صاحبہ کے پاس رہ کر ا خدمت کر سکتے ہو۔

بی بی صاحبہ نے جواب دیا۔

قبلہ شاہ صاحب ہم صدقہ دے کر واپس نہیں لیا کرتے۔ میں نے اپنے بیٹے کو اسلام کے نام پر قربان کرنے کے لئے پیش کر دیا ہے۔ اسے ساتھ لے جائیے مجھ سے زیادہ قوم کو اس کی ضرورت ہے۔

شاہ صاحب نے ماں کی ممتا کے اس انوکھے جذبے کی بے پناہ تعریف کرتے ہوئے جواب دیا۔

مرحبا بی بی صاحبہ باخدا آپ نے بدر اور حنین کی جنگ میں شامل ہونے والے مجاہدین کی ماؤں کی یاد تازہ کر دی۔ آپ نے ثابت کر دیا،

فرد قائم ربط ملت سے ہے اور مسلمان کا وجود اپنی قوم کے بغیر کچھ بھی نہیں۔

اِس کے بعد ہی بی بی صاحبہ نے بیماری کی حالت میں بیٹے کا منہ ماتھا چُوما اور اُسے قوم و ملک کی خدمت کی ہدایت کرتے ہوئے شاہ صاحب کے ساتھ ہی روانہ کر دیا۔ جونہی وہ گھر سے باہر آئے مراد کے بچپن کا دوست فاروق موجود تھا اُس نے مراد کے گلے ملتے ہوئے کہا۔

مراد خود تو سرخرو ہونے چل دیئے لیکن بچپن کے اس ساتھی کو بھول گئے جس کا ہاتھ تھام کر بچپن سے جوانی تک کا سفر طے کیا ہے۔ اِس جنگ میں تم تنہا نہیں مجھے بھی ساتھ لے کر چلو گے۔

فاروق مراد کے بچپن کا دوست تھا۔ تھوڑی دیر کے لئے وہ اپنے ماضی میں کھو گیا۔ جہاں بچپن کی وادیوں میں وہ فاروق اور سلمیٰ تینوں ایک ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ مراد اکثر کسی بات پر ناراض ہو کر سلمیٰ کی پٹائی کر دیا کرتا تھا اُس وقت فاروق ہی تھا جو سلمیٰ کے آنسو پونچھتے ہوئے مراد کو ملامت کا نشانہ بناتا تھا۔ سلمیٰ اور فاروق بچپن سے ہی ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔ جوانی کی حدود میں داخل

ہونے سے پہلے وہ بے دھڑک مراد کے گھر میں آجایا کرتا تھا۔ لیکن جوانی کی سرحد میں قدم رکھتے ہی شرم وحیا اخلاق اور شرافت نے اُس کے اور سلمٰی کے درمیان ایک دیوار کھڑی کر دی تھی۔ مراد اپنی بہن اور فاروق دونوں کے دلی جذبات سے واقف تھا۔ اُسے ماضی کا وُہ واقعہ یاد آگیا جب نہر کے کنارے گھروندے بناتے ہوئے اچانک سلمٰی کا پاؤں پھسل گیا تھا اور وہ نہر میں جا گری تھی۔ پھر فاروق ہی تھا جس نے سلمٰی کو بچانے کے لیئے بلا سوچے سمجھے نہر میں چھلانگ لگا دی تھی وُہ تو خیریت ہوئی کہ تھوڑی دور ہی چند نوجوان مچھلی کا شکار کرنے کے لیے موجود تھے جنہوں نے دونوں کو ڈوبنے سے بچا لیا ورنہ اس پگلے فاروق نے سلمٰی کے لیے اپنی جان بھی دے دی ہوتی اُس روز مراد کو احساس ہوا تھا کہ فاروق اور سلمٰی ایک دوسرے سے بڑی معصوم اور شبنم کی طرح پاک محبت کے رشتے میں منسلک ہیں۔ اس تحریک سے قبل وُہ اپنی ماں بی بی صاحبہ سے بھی ذکر کر چکا تھا کہ سلمٰی کے وہ ایک لڑکے کا انتخاب کر چکا ہے۔ لہٰذا شادی کے سلسلے میں کوئی وعدہ نہ کیا جائے لیکن ماں کے اصرار کے باوجود ابھی تک اُس نے کچھ نہیں بتایا تھا۔ حالانکہ اس سوال کو اُس نے سلمٰی کی آنکھوں میں بار بار دیکھا تھا جو مضطرب تھی کہ نہ جانے بھائی اُس کی قسمت کا کیا فیصلہ کرتا ہے کہیں لاعلمی میں اس کی زندگی کی ناؤ کسی طوفان کی نذر نہ ہو جائے لیکن وہ مسلمان لڑکی تھی جو شرم حیا کے زیور سے آراستہ ہوتی نہیں اور اپنے ہر قسم کے جذبات کو ماں باپ کی خوشی پر قربان کر دیتی ہیں۔

"مراد کہاں کھو گئے۔ تم نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔" فاروق نے کندھا پکڑ کر مراد کو ہلایا تو وُہ یادوں میں کھویا واپس لوٹ آیا اور پھر اُس نے بڑی اپنائیت اور محبت کے ساتھ جواب دیا۔

فاروق میرے بھائی میں نے اپنے کندھوں کی ذمہ داری اُتار کر تمہارے کندھوں پر رکھ دی ہے۔ ہم دونوں کے فرض برابر ہیں۔ میں اگر قوم و ملک کے لئے سر ہتھیلی پر رکھ کر میدان میں کود پڑا ہوں تو اپنے گھر کی تمام ذمہ داریاں تمہارے کندھے پر ڈال دی ہیں کیا یہ خدمت کم ہے اگر ایک بھائی میدان میں موجود ہے تو دوسرے کو تو عزت وناموس کی حفاظت کے لئے گھر میں رہنا چاہیئے جب کہ زمانہ کتنا پرآشوب ہے تم جانتے ہی ہو۔ یہ مرہٹے آدم خور گدھوں کی طرح عزتوں پر ٹوٹ پڑنے کے لئے ہر طرف پھڑپھڑاتے پھر رہے ہیں۔ فاروق کل کی خبر تو صرف خدا ہی کو ہے میں نے جو منزل اپنے لیے منتخب کی ہے وہاں زندگی سے زیادہ قدم قدم پر موت کا پہرہ ہے اس لئے جانے سے پہلے دل کا بوجھ ہلکا کر دینا چاہتا ہوں۔ فاروق تمہارے دلی جذبات مجھ سے مخفی نہیں۔ سلمٰی کی مرضی سے بھی میں واقف ہوں وہ تمہاری امانت ہے وقت سازگار ہوتا تو اس فرض سے سبکدوش ہو کر ہی میدانِ عمل میں قدم رکھتا لیکن وقت نے اتنی مہلت نہیں دی۔ میں سلمٰی اور بی بی صاحبہ کو خدا کے بعد تمہارے سپرد کر کے جا رہا ہوں۔ آج کے بعد شاید پھر ہماری ملاقات نہ ہو سکے۔ میں زندہ نہ بھی رہا تو بھی میں نے قبلہ شاہ صاحب کو اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیا ہے وہ بی بی صاحبہ سے خود بات کریں گے۔

فاروق نے بڑھ کر مراد کو اپنے سینے کے ساتھ بھینچ لیا اور باوجود ضبط کرنے کے اُس کے آنسو آنکھوں سے اُمڈ آئے اور وہ سسکیاں لے کر رونے لگا۔



نورانی دعوت

نواب فخر الدولہ منصب پنج ہزاری پر نسلاً در نسلاً چلے آ رہے تھے۔ اُن کا شمار سلطنت مغلیہ کے وفاداروں میں ہوتا تھا۔ پشت در پشت وہ سلطنت مغلیہ کے نمک حلال چلے آ رہے تھے اور اُن کا ماضی بے داغ اور اُن کی شخصیت ہر دور میں دربا[ری] سیاست سے الگ تھلگ رہی تھی۔ اسی لیے دربارِ مغلیہ میں ایرانی سرداروں کے اقتدا[ر] کے باوجود جب کہ تمام اہم عہدوں پر ایرانی سردار فائز تھے ان کو وزیر اعظم صفدر جنگ نے اپنے منصب پر بحال رکھا تھا اور وہ ان کی بے حد عزت اور احترام کرتا تھا۔

نواب فخر الدولہ گو بوڑھے ہو چکے تھے لیکن اب بھی جوانوں کا سا دم خم باقی تھا وہ اب بھی گھوڑے پر بیٹھ کر شیر کا شکار کرنے کے شوقین تھے۔ شیر کے علاوہ کسی اور کمزو[ر] جانور کے شکار کو وہ اپنی توہین تصور کرتے تھے۔ نواب صاحب کے لڑکا کوئی نہ [تھا] صرف ایک لڑکی تھی ارجمند بانو جو اتنی خوبصورت تھی کہ موم کی گڑیا دکھائی دیتی تھی۔ نو[اب] صاحب کی بیگم کا انتقال عالمِ شباب میں ہو چکا تھا اُس وقت ارجمند صرف پانچ س[ال] کی تھی۔ نواب صاحب نے صاحبِ ثروت ہوتے ہوئے بھی دوسری شادی ا[س] لئے نہ کی تھی کہ سوتیلی ماں ان کی بیٹی کے ساتھ اچھا سلوک نہ کرے گی۔ اسی لئے انہوں نے ارجمند بانو کو ماں اور باپ دونوں بنکر پالا تھا۔ ماں کی ممتا اور باپ [کی] شفقت کے سائے میں پل کر ارجمند بانو جوان ہوئی تھی۔ اُسے بھی اپنے باپ [سے] والہانہ پیار تھا۔

نواب صاحب درباری سیاست سے الگ تھلگ رہنے کے باوجود ایک مدبر سیاست دان اور بالغ النظر انسان تھے۔ اس وقت ملک جس سیاسی بحران کا شکار ہو کر رہ گیا تھا اُن کی نظر سے پوشیدہ نہ تھا۔ ایک مسلمان ہونے کی حیثیت سے وہ بھی مرہٹوں کو دشمنِ دین تصور کرتے تھے۔ اُن کے علم میں تھا کہ مرہٹے ایک ایسی ہندو ریاست کا خواب دیکھ رہے ہیں جس میں مسلمانوں کے لئے کوئی گنجائش نہیں وہ مسلمانوں سے صدیوں کی غلامی کا انتقام لینے کی خاطر ہندوستان کو مسلمانوں کا قبرستان بنانا چاہتے ہیں۔ انہیں موجودہ حکومت کی اس پالیسی سے بھی اختلاف تھا جو مسلمانوں کو قتل کرنے کے لئے اپنی تلوار اُن کے ہاتھ میں دینا چاہتی تھی لیکن چونکہ وہ مغل حکومت سے وفاداری کا پیمان باندھ چکے تھے اس لئے انہوں نے ہمیشہ درباری سیاست سے کنارہ کشی اختیار کی تھی، مسلمانوں کے اتحاد کو پارہ پارہ ہوتے دیکھ کر اُن کا دل بھی محب وطن لوگوں کی طرح اندر ہی اندر رو رہا تھا۔

عام عہدے داروں کی طرح جب انہیں بھی احمد اللہ شاہ کی طرف سے دعوت نامہ موصول ہوا تو درباری عتاب کو پس پشت ڈال کر وہ ایک روز شاہ صاحب سے ملاقات کے لیے چلے آئے۔ اس لئے کہ عالم دین ہونے کے سبب وہ شاہ صاحب کے بڑے معتقد تھے۔

شاہ صاحب کے افکار و دلائل ملی محبت اور مذہب پر قربان ہونے کے جذبے سے نواب صاحب بے حد متاثر ہوئے۔ شاہ صاحب نے انہیں اپنی تحریک میں شامل ہونے کی دعوت دی تھی اور ان خطرات سے آگاہ کیا تھا جو صفدر جنگ کی مرہٹہ نوازی کی وجہ سے عام [illegible] میں آنے والے تھے۔

نواب صاحب نے تمام [illegible] اور خطرات کو تسلیم کرتے ہوئے شاہ صاحب

کو جواب دیا۔

قبلہ آپ کے ارشادات پر میرا ایمان ہے۔ آپ نے جن خطرات کی نشاندہی کی ہے وہ اپنی جگہ بالکل صحیح ہے۔ بلا شبہ صفدر جنگ اپنی سلطنت کے دروازے مرہٹوں کے لیے کھول کر ملک اور قوم کی تباہی پر مہر ثبت کر رہا ہے۔ وُہ بھیڑیوں سے دوستی کرکے سمجھ رہا ہے کہ وہ محفوظ ہو گیا ہے یہ نہیں جانتا یہ خون آشام لٹیرے خود ایک روز اسکا خون پی جائیں گے۔ لیکن قبلہ شاہ صاحب میرے جدِ امجد سے لے کر اِس خاکسار تک یہ روایت چلی آ رہی ہے کہ ملکی سیاست کی بجائے ہماری تلوار صرف وفاداری کے نام پر اُٹھتی ہے اس لئے کہ سو پشت سے پیشہ آبائی سپاہ گری ہے ہمارا خاندان سلطنتِ مغلیہ کے ساتھ وفاداری کا حلف اُٹھا چکا ہے۔ میں وفاداری کی جس زنجیر میں بندھا ہوں اُسے توڑنا میرے بس میں نہیں ہے۔ خاندانِ مغلیہ کا نمک میری کئی پشتوں کے خون میں شامل رہا ہے نمک حرامی کرنے کی بجائے ہم خودکشی کو زیادہ بہتر تصور کرتے ہیں۔ اس کے باوجود میرے دلی جذبات آپ کے اور آپکی تحریک کے ساتھ ہیں لیکن مجھے افسوس ہے میری تلوار آپ کا ساتھ دینے سے قاصر ہے۔ وہ ماضی میں بھی حکومت کی حمایت میں اٹھتی رہی ہے اور آج بھی اگر مغلیہ حکومت کو اس کی ضرورت محسوس ہوگی تو یہ مغلیہ سلطنت کی حمایت میں اُٹھے گی۔ مغلیہ سلطنت کے خلاف نہیں اُٹھ سکتی۔

احمد اللہ شاہ نے بڑے صبر اور تحمل سے جواب دیا۔

میں آپ کے جذبہ وفاداری کی قدر کرتا ہوں۔ بلا شبہ وفاداری بشرطِ استواری عین ایمان ہے۔ لیکن میری صرف ایک بات کا جواب دیں۔

نواب صاحب نے انکساری سے کہا۔

ارشاد فرمائیں لیکن یہ ذہن میں رکھیں یہ خاکسار صرف سپاہی ہے آپ کی طرح عالم نہیں۔

شاہ صاحب نے جواب دیا۔

ہم صرف وُہ سوال پوچھیں گے نواب صاحب جس کا تعلق علم سے زیادہ وفاداری اور سپاہیانہ زندگی سے ہے۔ ہمارا سوال ہے اگر آپ دربار میں اپنے بادشاہ کے قریب موجود ہوں اور اچانک آپ کی نظر اپنے بادشاہ کی آستین کی طرف اُٹھ جائے جہاں ایک سنپولیا رینگتا ہوا اندر جا رہا ہو۔ آپ کے پہلو میں آپکی تلوار بھی موجود ہو۔ تو کیا آپ اُس سنپولیے کو اس لئے چھوڑ دیں گے کہ بادشاہ کے حضور تلوار کو نیام سے نکالنا پاسِ ادب اور وفاداری کے خلاف ہے۔

ہرگز نہیں میں فوراً اپنے بادشاہ کی جان بچانے کے لئے تلوار سے اُس سنپولیے کو کاٹ پھینکوں گا خواہ میرا یہ عمل گستاخی پر مامور کیا جائے۔ لیکن حقیقت حال کے بعد میری اِس گستاخی کو وفاداری کا نام دے کر انعام و اکرام سے نوازہ جائے گا کیونکہ میرا یہ فعل بادشاہ کے اِس دشمن کو ہلاک کرنا تھا بادشاہ کے خلاف تلوار اٹھانا مقصود نہ تھا۔

شاہ صاحب نے تبسم فرماتے ہوئے جواب دیا۔

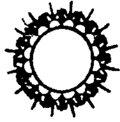
قبلہ نواب صاحب آپ نے خود ہی ہمارے مقصد کی حمایت کر دی ہے۔ یہی بات میں آپکو سمجھانا چاہتا ہوں۔ آپ خود تسلیم کر چکے ہیں کہ صفدر جنگ کی مرہٹہ دوستی سلطنت مغلیہ کی ہی تباہی نہیں بلکہ پوری مسلمان قوم کی تباہی ہے۔ صفدر جنگ ایک ایسا ہی سانپ ہے جو مغل بادشاہ کی آستین میں پل رہا ہے۔ سلطنتِ مغلیہ کے فرمانروا کی زندگی بچانے کے لیے اگر آپ اپنی تلوار بے نیام کرتے ہیں تو آپ کا یہ فعل نمک حرامی پر نہیں وفاداری پر معمور کیا جائے گا۔ بقول آپ کے جب حقیقت حال سامنے آئے گی تو آپکی اِس گستاخی کو وفاداری کا نام دیا جائے گا۔ گو میرا تعلق دربار

سے نہیں رہا لیکن میری اطلاع کے مطابق وہ صرف اپنے اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے مسلمانوں کی گردنیں کاٹنے کے لیے کافروں کے ہاتھوں میں شمشیریں دے رہا ہے اور یہ بھول رہا ہے کہ وہ خود بھی مسلمان قوم کا ایک فرد ہے جو تلوار کسی دوسرے مسلمان کی گردن کاٹ سکتی ہے وہ اس کی گردن کاٹنے میں بھی تاخیر سے کام نہ لے گی۔ صفدر جنگ کی یہ سیاست اس بھیڑ کی مانند ہے جس کا ریوڑ ایک مضبوط احاطے میں محفوظ ہے اور جو آپس کی نا اتفاقی سے بوکھلا کر اس مضبوط احاطے کا دروازہ محض اس لئے شیر کیلئے کھول دے کہ وہ اس کے مخالفین کو کھا جائے۔ لیکن وہ یہ بھول جائے کہ بقایا ریوڑ کو ختم کرنے کے بعد بالآخر وہ خود بھی شیر کی خوراک بن جائے گی۔

نواب صاحب نے لاجواب ہونے کے ساتھ ساتھ قائل بھی ہوتے ہوئے صرف اتنا کہا۔

مجھے آپکی ملتِ اسلامیہ سے محبت اور موجودہ وقت کی سیاست سے باخبری آپ کے افکار اور خدشات سے پورا پورا اتفاق ہے لیکن آپ مجھے اس سلسلے میں سوچنے کا تھوڑا وقت دیں۔

ہاں۔ ہاں۔ کیوں نہیں آپ خوب اچھی طرح غور و فکر کرلیں۔ بہت ممکن ہے ہم درویشوں کا ساتھ دینے کی وجہ سے آپ کی جاگیر اور آپکا منصب بھی چھین لیا جائے نواب صاحب جو لوگ صرف قوم و ملت اور خدا کی خوشنودی کے لیے جہاد کرتے ہیں۔ انہیں دنیاوی جاہ وحشمت کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ اس لئے کہ اس دنیا کی شان و شوکت دولت اور امارت صرف چند روزہ ہے جو زندگی کے بعد اسی دنیا پر رہ جائے گی۔ لیکن جن لوگوں نے آخرت پر ایمان رکھا ہو۔ جو جنت اور دوزخ کی حقیقت سے آشنا ہوں۔ جنہوں نے قرآنِ حکیم میں رب العزت کے ارشادات کو بار بار پڑھا ہو جس میں رب تعالیٰ نے اپنے نیک اور صالح بندوں کے لیئے اپنے انعام واکرام کا ذکر کیا ہے وہ دنیاوی جاہ وحشمت کو ٹھوکر مار کر ان مجاہدوں میں آملتے ہیں جن کے لئے وقتی طور پر نہ تو ہمارے پاس پیٹ بھر روٹی ہے اور نہ ہی ان کے اہل وعیال کی کفالت کا بندوبست۔ ان کا ایمان ہے کہ ان کے رزق کا اور ان کے اہل وعیال کی حفاظت کا ذمہ دار ان کا رب ہے۔



وفا کی ادا

ساون کا مہینہ تھا۔ آسمان پر اودھی اودھی گھٹائیں شتر بے مہار کی طرح اڑتی پھر رہی تھیں۔ اب فخر الدولہ اس موسم میں شہر سے باہر واقع اپنے آموں کے باغ میں مع اہل و عیال جود تھے۔ جہاں اُن کی ایک حویلی تھی۔ آج موسم نہایت خوشگوار تھا صبح سے کبھی دار پڑ رہی تھی اور کبھی ٹھنڈی ہوا اٹھکیلیاں کرتی چل رہی تھی۔ نواب صاحب کی ٹی ارجمند بانو نے اپنی کنیزوں کے علاوہ اپنی کئی سہیلیوں کو بھی آموں کی دعوت دے بھی تھی۔ جو درختوں پر گچھوں کی صورت ہوا سے جھوم رہے تھے اُس نے خاص طور پر بولے بھی ڈلوا رکھے تھے۔ باغ شہر سے ہی باہر نہ تھا بلکہ دیہاتی آبادی سے بھی ہٹ کر واقع ہوا تھا اس لیے اس جگہ مکمل طور پر تنہائی اور سکون موجود تھا۔ س لیے جھولوں پر ارجمند بانو اور اُن کی سہیلیاں لاپروائی سے ایک دوسرے سے جھولے کو بلند کرنے میں سبقت لے جانے کی کوشش کر رہی تھی۔ باغ کے شمالی حصہ کے درمیان سے نہر ہو کر گزرتی تھی جس کا پانی بڑا شفاف اور ٹھنڈا تھا۔ چند کنیزیں جال میں آموں کو ڈال کر اسے نہر کے پانی میں ٹھنڈا کرنے میں مصروف تھیں۔ دوسری طرف چولہے پر مختلف قسم کے پکوان چڑھے ہوئے تھے اور جنگل میں منگل منایا جا رہا تھا۔ اچانک حویلی سے نواب صاحب ہاتھ میں شکاری بندوق لے کر باہر آئے۔ لڑکیوں نے مؤدب ہو کر جھولے روک لیے نواب صاحب

نے ارجمند بانو کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

بیٹی اچانک ہی چند شکاری دوست یہ سن کر آدھمکے ہیں کہ میں یہاں موجود ہوں اس لئے وضعداری سے مجبور ہو کر اُن کے ہمراہ شکار کے لیے جا رہا ہوں۔ قبلہ احمد اللہ صاحب کا کوئی آدمی آئے تو میں نے نوکر کو ہدایت کر دی ہے اُسے میرے آنے تک روکا جائے تم اُس کے لیے کھانے وغیرہ کا بندوبست کر دینا۔ کوشش کروں گا جلدی لوٹ آؤں۔ اچھا بیٹے خدا حافظ۔

نواب صاحب کے رخصت ہونے کے بعد اب اس حویلی میں کوئی بھی ایسی ہستی موجود نہ تھی جن کے پاس ادب میں سہیلیاں بے تکلف نہ ہو سکیں۔ لہٰذا اب جھولے بڑھانے کے ساتھ ساتھ سہیلیوں نے گانا بھی شروع کر دیا۔

امبوا کی ڈالیوں میں جھولنا جھلا جا
اب کے ساون تو سجن گھر آجا

لڑکیوں کی رسیلی اور سریلی آوازیں پھواریں دھلی ہوئی ٹھنڈی ہوا کے دوش پر سوار اس سنسان جگہ میں دور تک پھیل رہی تھی۔ اور پھر یہ آواز مرہٹوں کے ایک دستے تک جا پہنچی جو دتاجی سندھیا مرہٹے سردار کا پیغام وزیراعظم صفدر جنگ کو پہنچا کر واپس لوٹ رہے تھے۔ صفدر جنگ نے خدشات کا ذکر کرتے ہوئے دتاجی سندھیا کو پیغام بھیجا تھا کہ وہ اپنی فوجوں کو دلی سے اور قریب لے آئے تاکہ ضرورت کے وقت وہ اُسے امداد کے لیے طلب کر سکے۔ یہ فوجی دستہ دتاجی سندھیا کا پیغام دے کر واپس لوٹ رہے تھا۔ جس میں دتاجی سندھیا نے وزیراعظم کا شکریہ ادا کیا تھا جس نے اس خدمت کے صلے میں اُسے اپنی سلطنت کے چند حصے لکھ کر دے دیئے تھے۔

جونہی یہ جذبات میں ڈوبی ہوئی سریلی آوازیں دستے کے سالار کے کانوں

میں پہنچی اُس کی نیت خراب ہو گئی اور اُس نے قہقہہ لگا کر اپنے دستے کے آٹھ آدمیوں سے کہا۔

ایک سے زیادہ آوازیں ہیں۔ آؤ ان کونوں پر ٹوٹ پڑیں۔ صفدر جنگ اور دہلی کا یہ تاش کا بادشاہ ہمارے سپہ سالار کی مٹھی میں ہے ہماری کسی بھی حرکت پر سینہ پا ہونے کی بجائے وہ خاموشی سے بے عزتی کے گھونٹ پی جائے گا۔

اس کے ساتھ ہی مرہٹوں نے اپنے گھوڑے آوازوں کی سمت چھوڑ دیئے اور بھیڑیوں کے غول کی طرح سے گھوڑوں سمیت باغ میں داخل ہو گئے۔ نواب صاحب پہلے ہی شکار کو جا چکے تھے۔ جو ملازم یہاں موجود تھے لڑکیوں کی چیخیں سن کر وہ مزاحمت کے لیے جونہی باہر آئے مرہٹوں نے زخمی کر کے ایک طرف ڈال دیا۔ ارجمند بانو نے بڑی دلیری کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک سپاہی کی تلوار چھین لی اور مقابلے پر اتر آئی لیکن دستے کے سردار نے جسے وہ پسند آ گئی تھی ڈانٹ کر سپاہیوں سے کہا۔

خبردار اس پکے ہوئے آم پر کوئی ضرب نہ آنے پائے یہ میری پسند ہے۔

اس نے جلدی سے کمند پھینک کر ارجمند کو بے بس کر لیا۔

دوسری کئی لڑکیاں ڈر کے مارے بیہوش ہو چکی تھی۔ ارجمند کو گرفتار اور بے بس کرنے کے بعد سالار نے سپاہیوں سے کہا۔

اپنی اپنی پسند کی لڑکی لے کر یہاں سے نکل چلو بہت ممکن ہے یہاں قریب ی ان کے مرد موجود ہوں۔ پھر جونہی اُس نے کمند میں بندھی ارجمند کو اپنے گھوڑے پر ڈال کر پہل کی ایک نیزہ اُس کے گھوڑے کے آگے زمین میں گڑھ لیا۔ سالار کا گھوڑا الف ہو گیا اور ارجمند زمین پر آ رہی۔ سالار چونکہ اچھا سوار تھا وہ گھوڑے کی کمر پر جا رہا۔ اس کے ساتھ ہی ایک دھاڑ سنائی دی۔

خبردار بزدلو اگر تم میں سے کسی کے ہاتھ بھی ان لڑکیوں کی طرف بڑھے تو سر تن سے جدا کر دیئے جائیں گے۔

سالار نے بڑے غصے سے اس آواز کی سمت دیکھا جس نے شیر کے مونہہ سے نوالہ چھیننے کی کوشش کی تھی۔ اُس کے سامنے مراد تنہا کھڑا تھا۔ مرہٹے سالار نے طیش میں آ کر کہا۔

شاید تیری موت تجھے یہاں گھیر کر لے آئی ہے۔ نادان تُو تنہا ہے اور ہم نو بہادر ہیں۔

نو کی بجائے سو بھیڑیں بھی ہوں ان کے لیے ایک شیر ہی کافی ہوتا ہے۔
ارجمند نے بڑے اعتماد کے ساتھ مراد کی طرف دیکھا جو بانکا سجیلا جوان بالکل شیر کی طرح تن کر چٹان بن کر کھڑا تھا۔

مرہٹے سردار نے قہقہہ لگاتے ہوئے جواب دیا۔

ہم تیری یہ خطا معاف کر دیں گے اگر تو ہماری راہ سے ہٹ جائے جان بچانے کا یہ آخری موقعہ ہے۔

جان لینے کا یہ پہلا موقعہ نصیب ہوا ہے بیوقوف مرہٹے تو ایک مسلمان کو یہ رائے دیتا ہے کہ وہ اپنی عزت اور ناموس کو کتوں کے حوالے کر کے جان بچا لے خدا کی قسم جان دینے کا اس سے بہتر موقعہ شاید ہی کبھی نصیب ہو۔ یہ برچھا جو تیری راہ میں زمین کے سینے میں گڑھا ہے تیرے سینے کے بھی پار ہو سکتا تھا۔ لیکن بہادر لوگ دشمن کو جگا کر وار کرنے کے عادی ہوتے ہیں میں صرف تمہیں یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ جس قوم کو تم سوتا ہوا سمجھ کر ایک ضمیر فروش محافظ سے اس کی قسمت کا سودا کرنا چاہتے ہو اُس کا تنہا ایک فرد بیدار ہو کر کس طرح تمہارا غرور پاش پاش کرتا ہے۔ میں تمہیں زندہ چھوڑ دوں گا اس لیے کہ تم اپنے ساتھیوں کی لاشیں

ـے جاکر اپنے سردار تک۔ یہ پیغام پہنچا سکو کہ جس تاج و تخت اور سلطنت کو حاصل کرنے کے خواب اُن کا پیشوا پونا میں بیٹھا دیکھ رہا ہے وہ کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہوگا۔ اگر اُسے اپنی بے پناہ افرادی قوت پر بھروسہ ہے تو مسلمانوں سے الجھنے سے پہلے وُہ ہماری تاریخ اُٹھا کر دیکھ لے۔ ہم نے کسی بھی میدان میں عسکری قوت کو اپنے اوپر غالب نہیں آنے دیا ہم نے ہمیشہ اکثریت کے بتوں کو پاش پاش کر کے رکھ دیا ہے۔

ارجمند کو ایسا لگا اُس کے سامنے۔ محمد بن قاسم۔ خالد بن ولید یا طارق بن زیاد کھڑا ہے۔ اس نوجوان کی خود اعتمادی اور شجاعت پر اُس کا دل باغ باغ ہوگیا۔ اُس کے علاوہ بھی ہوش میں آکر لڑکیوں نے فخر کے ساتھ اپنی ملت کے اس سپوت کی طرف دیکھا جو اُن کی عزت کا پاسباں بن کر آگیا تھا۔

مرہٹہ سردار نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا۔
اس مسلے کی آواز ہمیشہ کے لیے بند کر دو۔

نو مرہٹے اپنے ہتھیار دل سمیت صرف ایک مسلمان پر حملہ آور ہوئے۔ مرا کی تلوار بجلی کی طرح کڑکتی اور برستی رہی۔ زبردست مقابلہ ہوا۔ وہ کئی بار مرہٹوا گھر گیا لیکن اُس نے اپنی بہادری سے ثابت کر دیا ۔

جہاں میں اہل ایماں صورت خورشید جیتے ہیں
اِدھر ڈوبے اُدھر اُبھرے اُدھر ڈوبے اِدھر ابھرے

نو کافر مل کر بھی ایک مسلمان کو شکست نہ دے سکے بلکہ اس تنہا نے جنگ امداد کے لئے ضرب ید اللہی موجود تھی آہستہ آہستہ آٹھ مرہٹے سپاہیوں کو جہنم واصل کر دیا جب کہ نواں اُن کا سردار زخمی حالت میں کھڑا مراد سے زندگی کی بھیک مانگ ۔ باقی مراد نے اُسکی تلوار توڑ دی تھی جس کے ٹکڑے زمین پر مراد کے قدموں

ں پڑے تھے۔ مراد نے حقارت سے اُسکی طرف دیکھ کر کہا۔
میں نے تجھ سے کہا تھا میں تجھے قتل نہیں کروں گا۔ اپنے ساتھیوں کی لاشوں ان کے گھوڑوں پر لاد کر لے جا یہ ایک مسلمان مجاہد کی طرف سے پونے میں بیٹھے ہمارے پیشوا کے لیے تحفہ ہے۔

پھر جب مرہٹہ سالار اپنے مردہ ساتھیوں کو اُن کے گھوڑوں پر لاد کر لے جا رہا تھا۔ اب صاحب باغ میں داخل ہوئے۔ ارجمند باپ سے لپٹ کر رونے لگی اور پھر س نے تمام کہانی باپ کو کہہ سنائی۔ نواب صاحب نے آگے بڑھ کر مراد کو سینے سے لگا لیا جو زخمی تھا اور پھر فوراً انہوں نے حکم دیا۔

ارے کوئی ہے ہمارے زخمی بیٹے کے لیئے فوراً ڈاکٹر کو بلا لائے۔ با خدا اس ون کا ایک ایک قطرہ ہمیں اپنی زندگی سے بھی زیادہ عزیز ہے۔

مراد نے مسکرا کر ارجمند کی طرف دیکھا جو باپ کے ساتھ لگ کر کھڑی تھی اور ب اُسے احساس ہوا تھا کہ وہ کسی اجنبی کے سامنے بے پردہ کھڑی ہے اُس نے لدی سے اپنا چہرہ دوپٹے سے ڈھانپ لیا۔ نواب صاحب نے جن کی نگاہ صرف مراد کے زخموں سے بہتے ہوئے خون کی طرف تھی کہا بیٹے اب باہر کیوں کھڑے ہو چلو اندر چل کر آرام سے بیٹھو جلدی ہی ڈاکٹر آکر تمہارے زخموں پر دوائی لگا دے گا۔ زخم گہرے نہیں انشاء اللہ دو چار روز میں ٹھیک ہو جائیں گے۔ دو چار روز تمہیں مکمل آرام کی ضرورت ہے۔

مراد نے مودب اور مسکراتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔
دو چار روز نہیں قبلہ میرے پاس تو دو چار منٹ بھی ضائع کرنے کیلئے نہیں ہیں آپ فکر مند نہ ہوں۔ میرا نام مراد ہے اور مجھے قبلہ شاہ صاحب نے آپ کے مراسلے کے جواب میں بھیجا ہے مجھے جلدی واپس جانا ہے۔

باخدا ہم تمہاری بہادری کے پہلے ہی قائل ہو چکے ہیں۔ بیٹے تم نے ہماری عزت کی حفاظت کر کے ہم پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔

نواب صاحب نے کہا تو مراد نے انکساری سے جواب دیا۔

آپ مجھے شرمندہ نہ کریں قبلہ میری تو آرزو ہے کہ خدا وہ وقت لائے جب میں پوری مرہٹہ طاقت کو للکارتے ہوئے بتا سکوں کہ مسلمان مائیں بانجھ نہیں ہوئیں وہ آج بھی خالد بن ولید۔ موسیٰ بن نصیر اور محمد بن قاسم کو جنم دے سکتی ہیں۔ آج بھی تین سو تیرہ مسلمان مجاہد لشکرِ کفار کو گاجر اور مولی کی طرح کاٹ کر پھینک سکتے ہیں۔ خدا کی قسم ملت کی حرمت کے لئے آج بھی کربلا کا میدان سجایا جا سکتا ہے۔ اس لئے کہ اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد۔

ارجمند مراد کے چہرے کے جلال کو دیکھ رہی تھی جس کے سامنے اُسے بادشاہت ہیچ نظر آ رہی تھی۔ عزت اور ناموس کے نام پر خون میں نہائے ہوئے اس نوجوان کے سامنے اُسے تاجِ شاہی حقیر دکھائی دیتا تھا اُس کا دل چاہا شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر آگے بڑھے اور اس خون کو اپنی مانگ میں سجا لے اور مراد کے قدموں میں گر کر کہے۔

ہم نواب زادی نہیں بلکہ آپ کی معمولی کنیز بنکر رہنے میں زیادہ فخر محسوس کریں گے۔ ہم نے آپ کو اپنے خوابوں میں سجا لیا ہے تمام زمانے سے چھپ کر ہم آپ کی پرستش کریں گے۔ کاش آپ بھی ہماری محبت کے حقیر نذرانے کو قبول کر لیں۔

لیکن جب وہ خیالوں کی دنیا سے لوٹ کر آئی تو نواب صاحب اور مراد جا چکے تھے اور اُس کی سہیلیاں اُس کی محویت پر ہنس رہی تھیں اُس نے ناگواری سے کہا۔

واہ بھلا یہ ہنسنے کا کونسا موقعہ ہے؛

حضور رونے کا موقعہ تو اس نوجوان نے ہمیں دیا ہی نہیں۔ خدا کا شکر ہے اس سے بہتر بھلا ہنسنے کا موقعہ کونسا ہو گا۔ زمرد نے کہا۔ اس کے بعد نوبہار نے اپنے خیالات کا اظہار شروع کر دیا۔

بیچارہ جسم کے زخم تو بھر جائیں گے مگر دل کے زخم ....

سب سہیلیوں نے قہقہے لگائے تو ایک دفعہ پھر ارجمند برہم ہو گئی اور چیخ کر کہا۔

یعنی یہ کیا بیہودگی ہے۔ آنکھوں کا پانی ہی مر گیا ہے۔ کوئی شرم و حیا کا دامن اس طرح چھوڑتا ہے۔

جانفزا نے آنکھیں مٹکاتے ہوئے جواب دیا۔

بی بنّو دل کا چور تو پکڑا گیا اب دیکھتے ہیں شرم و حیا کا دامن کب تک تھامے رکھتی ہو۔

ہی اللہ ہمیں تنگ نہ کرو۔

کہہ کر ارجمند نے حویلی کی طرف دوڑ لگا دی اور دھڑکتے ہوئے دل اور پھولی ہوئی سانس کے ساتھ اپنے کمرے میں آ کر پلنگ پر گر پڑی۔ اُس کی سہیلیوں کے قہقہے اُسے اب بھی سنائی دے رہے تھے جو ساون کی پھوار کی طرح حویلی کے باغ میں برس رہے تھے اور یہ قہقہے نزدیک آ رہے تھے جس کا مقصد تھا کہ غزالوں کو یہ ڈار اب چوکیاں بھرتی اسی کمرے کی طرف آ رہی تھی۔ اُس نے جلدی سے اُٹھ کر اپنے حواس کو قابو میں کیا اور دلی کیفیت کو چھپانے کے لئے کرسی پر بیٹھ کر اخبار کے مطالعے میں مصروف ہو گئی۔ وہ نہیں چاہتی تھی اُس کی سہیلیاں دل کے چور کو اُس کی آنکھوں میں چھپا دیکھ لیں۔ محبت اور وفا کی یہ بھی ایک ادا تھی۔

گری بجلی آشیاں پر

ڈاکٹر نے مراد کے زخموں پر دوائی لگا کر اُسے مکمل آرام کا مشورہ دیا تھا۔ نواب صاح بھی یہی چاہتے تھے کہ اس حالت میں جب کہ زخم ابھی کچے ہیں وہ بھاگ دوڑ کا کوئی کام نہ کرے لیکن مراد مضطرب تھا کہ اُسے جلد از جلد واپس شاہ صاحب کے پاس نوا صاحب کا پیغام لے کر پہنچنا چاہیئے آخر نواب صاحب کو ہی ضد چھوڑنی پڑی اور انھ فکر مند انداز میں مراد سے کہا۔

مراد میاں ملکی حالات دن بدن ابتر ہوتے جارہے ہیں۔ ہمیں کل ہی پتہ چلا کہ لگان وصول کرتے کے بہانے اپنی امداد کے لئے صفدر جنگ نے دہلی کے گر نواح میں مرہٹی فوج کو بلوالیا ہے۔ تورانی امرا بھی صفدر جنگ کی مرہٹہ نواز پالیسی کے خلاف ہوگئے ہیں وہ نہیں چاہتے مسلمانوں کی باہم نااتفاقی کے باوجود کسی غیر مسلم کو کر کے بندر کے ہاتھ میں انصاف کا ترازو پکڑا دیا جائے۔ صفدر جنگ بڑا کینہ پرور انس ہے وہ ذاتی اقتدار کے لیئے سلطنتِ مغلیہ کا تاج و تخت بھی داؤ پر لگانے پر تلا ہے۔ اگر شاہ صاحب مذہبی راہنما اور عوام میں اتنے ہر دل عزیز نہ ہوتے تو اب بزورِ شمشیر تمہاری تحریک کو بھی دبا دیا جاتا خواہ اس کیلئے اس لالچی اور خود غرض انس کو مسلمانوں کے خون سے ہاتھ رنگنے پڑتے لیکن وہ شاہ صاحب سے اندر طور پر خائف ہے اور خانہ جنگی سے بچنے کے لیے چشم پوشی سے کام لے ر

لیکن جب وہ دیکھے گا کہ پانی سر سے گزرنے والا ہے وہ اپنی امداد کے لیئے فوراً مرہٹہ فوج کو بلالے گا۔

"آپ درست فرمارہے ہیں قبلہ۔ شاید آپ کو علم نہیں ان تمام حالات سے قبلہ شاہ صاحب پوری طرح باخبر ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ابھی تک ہماری تحریک کھل کر میدان میں نہیں آرہی"۔ مراد نے جواب دیا تو نواب صاحب نے کہا۔

قبلہ شاہ صاحب، صاحب بصیرت انسان ہیں لیکن اُن سے عقیدت ہونے کے باعث میں نے ضروری خیال کیا کہ جس بات کا مجھے علم ہے میں اُن تک پہنچا دوں اور اسی خیال سے میں نے اُن کی خدمت میں خط لکھا تھا اب تم یہ تمام باتیں میری طرف سے اُن کے گوش گزار کر دینا۔

مراد نے سوال کیا۔

گستاخی معاف نواب صاحب عقیدت مند ہونے کے باوجود آپ نے ابھی تک ہمارے ساتھ شرکت کا اظہار نہیں کیا اس میں ضرور کوئی مصلحت ہوگی؟

نواب صاحب نے ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے کہا۔

مصلحت کوئی نہیں بیٹے شاہ صاحب اور اُن کے تمام مرید راہِ راست پر ہیں۔ آپ لوگ خوش نصیب ہیں کہ آزادانہ اپنی رائے اور عقیدت کا اظہار بھی کر سکتے ہیں۔ مجبوری کی زنجیر تو ہمارے گلے میں غلامی کا طوق بن کر لٹک رہی ہے۔ وہ عہد اور وفاداری جو ہمارے اسلاف سلطنتِ مغلیہ کے ساتھ وابستہ کر چکے ہیں اُس زنجیر کو توڑتے ہوئے اپنے بزرگوں کے قول اور اُس عہد کا خیال آجاتا ہے جو پشت در پشت ہمارے بزرگ اپنے بعد کی آنے والی نسل کے نوجوانوں سے حلف سامنے رکھ کر لیتے رہے ہیں۔ اُن بزرگوں کو کیا علم تھا کہ کبھی سلطنت کے عہدوں پر ملت اور وطن فروش قسم کے عہدے دار بھی فائز ہوں گے۔ قبلہ شاہ صاحب سے کہہ دیتا

بیٹا میرا دل اور دماغ اُن کے ساتھ ہے لیکن ابھی وہ وقت نہیں آیا کہ میری تلوار بھی اُن کے ساتھ مل کر بے نیام ہو۔

ہمارے لیئے اتنا بھی بہت کافی ہے کہ آپ نے دلی اور ذہنی طور پر اِس تحریک کو راہ راست پر قبول کر لیا ہے اور قوی امید ہے کہ انشاء اللہ آپکی تلوار بھی بہت جلد ہم سے آملے گی۔ اب اجازت مرحمت فرمائیں سورج غروب ہونے سے پہلے مجھے واپس پہنچنا ہے۔

جونہی مراد حویلی کے دروازے سے باہر نکلا تو شاہی فوج کے ایک دستے کو مسلح موجود پایا۔ نواب صاحب نے بھی حیرت سے دیکھا جو اُسے دروازے تک چھوڑنے آئے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر ارجمند بانو کے دل پر تیر سا لگا۔ جب شاہی فوج کے دستے کے سالار نے گھوڑے سے اتر کر اُس کے والد نواب فخر الدولہ کو تعظیم بجا لاتے ہوئے بڑے ادب کے ساتھ شاہی فرمان نکال کر اُن کے حوالے کیا۔ چند سپاہیوں نے مراد کو اپنی تلواروں کے گھیرے میں لے لیا۔

نواب صاحب نے شاہی فرمان پڑھ کر سالار اعظم خان سے کہا۔

اعظم خان اِس فرمان شاہی کی رُو سے تم مرہٹہ سپاہیوں کے قاتل کو گرفتار کرنے کے لیے یہاں آئے ہو۔

اعظم خان نے جو نواب فخر الدولہ کے منصب سے واقف تھا بڑے ادب سے جواب دیا۔

جی۔ اِس خادم کے ذمہ ہی یہ کام لگایا گیا ہے مجھے افسوس ہے اِس ناخوشگوار کام کے لیے مجھے درِ دولت پر آکر یہ گستاخی کرنی پڑ رہی ہے۔ نواب صاحب بڑی تحمل سے کہا۔

لیکن اعظم خان تمہیں یہ کس نے کہا کہ وہ قاتل مراد ہے۔؟

مرہٹہ دستے کے اُس سالار نے جو اپنے ساتھیوں کی لاشوں کے ساتھ انتہائی زخمی حالت میں دربار شاہی تک پہنچا۔ اعظم خان نے جواب دیا تو نواب صاحب نے قدرے برہمی سے کہا۔

یہ غلط ہے۔ اُن تمام بدمعاشوں کا قتل میری حویلی کے باغ میں ہوا ہے۔ انہوں نے میری حویلی کی چار دیواری میں گھس کر۔ میری عزت کی طرف ہاتھ بڑھانا چاہا اور مجھے اپنی آبرو بچانے کے لیے اُن بدمعاشوں کو قتل کرنا پڑا۔ اُن سب کا قاتل مراد نہیں میں ہوں اور میں تمہارے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہوں۔

اعظم خان نے تذبذب کی حالت میں نواب صاحب کی طرف دیکھا پھر اِس سے پہلے کہ وہ کوئی جواب دے خود مراد نے اُسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

خان صاحب قبلہ نواب صاحب بڑے وضعدار۔ مہربان اور شفیق بزرگ ہیں اور وہ اپنے مہمان کو بچانے کے لیے یہ بات نظر انداز کر رہے ہیں کہ اُن کا رتبہ اور مرتبہ اور تعلق مغل دربار کے ساتھ کیا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب ان بدمعاش اور لٹیرے مرہٹے سپاہیوں نے اِس حویلی میں قدم رکھا قبلہ نواب صاحب یہاں موجود نہ تھے صرف یہ خاکسار ہی یہاں موجود تھا اور پھر جونہی ان کافروں اور مردود ڈاکوؤں نے اپنے روائتی انداز میں یہاں موجود شریف گھرانوں کی عزت دار لڑکیوں کی عزت کی طرف ہاتھ بڑھایا تو غیرت ملی جوش میں آگئی میں نے تنہا ان نو کافروں کا مقابلہ کرتے ہوئے آٹھ کو جہنم رسید کر دیا اور نویں کو محض سبق دینے کے لیئے زندہ چھوڑ دیا کہ جا کر اپنی بے غیرت قوم کو بتا سکے مسلمانوں کی غیرت ابھی زندہ ہے جو اُن کی بڑھتی ہوئی طاقت سے ذرا بھی خائف نہیں ہیں۔

اعظم خان نے مودّب انداز میں نواب صاحب کی طرف دیکھ کر کہا۔

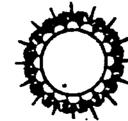
گستاخی معاف نواب صاحب مجرم کے اِس بیان کے بعد مجھے امید ہے شاہی

مراسلے کا احترام کرتے ہوئے آپ مداخلت نہ فرمائیں گے۔ لے چلو اسے۔ اعظم خان کا حکم ملتے ہی سپاہی مراد کو لے کر چل دیئے۔ نواب صاحب کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔ ارجمند بانو کا دل ہی بجھ گیا اور اگر اُس کی سہیلیاں اُسے تھام نہ لیتیں تو وہ زمین پر گر جاتی۔

نواب صاحب نے جلدی سے کپڑے تبدیل کیئے تلوار کمر سے باندھی اور چیخ کر اپنے ملازم کو گھوڑا تیار کرنے کا حکم دیا۔

مراد کی گرفتاری کی اطلاع احمد اللہ شاہ کی خانقاہ تک بھی پہنچ چکی تھی اور مراد کے گھر پر بھی۔ جہاں بی بی صاحبہ اُس کی بہن سلمیٰ اور اُس کا جگری دوست فاروق سخت پریشان تھے۔ بی بی صاحبہ تو خبر ملتے ہی سجدے میں گر پڑی تھیں اور رو رو کر خدا کے حضور کہہ رہی تھیں۔

پروردگار یہ دولت مراد کی صورت میں تو نے ہی مجھ کو عطا کی تھی میں نے اسے تیرے دین کی سربلندی کے لیے سر پر کفن باندھ کر بھیج رکھا ہے تیری امانت ہے اگر تیری منشا اسے واپس لینے کی ہے تو بھی اس عاجز کنیز کا سر تیرے حضور جھکا ہوا ہے کہ میں نے تیری امانت میں خیانت نہیں کی اپنی ممتا کی چھاؤں میں پرورش کر کے اُسے تیرے سپرد کر دیا ہے۔ میں نے تو اپنا بیٹا تیرے نام پر قربان کر دیا ہے۔ اب صرف یہی التجا ہے میری ممتا کو صبر عطا فرما ایسا صبر جو حضرت اسمٰعیل علیہ اسلام کی والدہ ماجدہ کو اُس وقت عطا فرمایا تھا جب حضرت ابراہیم علیہ اسلام رضائے الٰہی کے لیے انہیں ذبح کرنے لے جا رہے تھے۔



پیمانِ وفا!

ماں کو خُدا کے حضور سجدہ ریز چھوڑ کر سلمیٰ روتی ہوئی اپنے کمرے میں پہنچی اُس کا دل پھٹا جا رہا تھا صرف ماں کی وجہ سے دبی دبی سسکیوں پر اکتفا کر رہی تھی آخر جب بات برداشت سے باہر ہو گئی تو وہ دل کی بھڑاس نکالنے کے لیے اپنے کمرے میں چلی آئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ فاروق نے جوانی کی سرحد میں قدم رکھنے کے بعد پہلی مرتبہ اُس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ سلمیٰ مراد نے جو فرض انجام دیا ہے اُس پر فخر کرنے کی بجائے اس طرح مت رو کہ بی بی صاحبہ کے صبر کا دامن بھی ہاتھ سے چھوٹ جائے۔ وہ ماں ہونے کے باوجود ممتا کے سینے پر صبر کی سل رکھے ہوئے ہیں لیکن تم نے بہن ہوتے ہوئے صبر کے دامن کو چھوڑ دیا ہے۔ خدا کی قسم مجھے اپنے دوست کے اس کارنامے پر فخر ہے۔ وہ زندگی کے ہر شعبے میں مجھ سے بازی لے گیا ہے۔ وہ قوم کی خدمت میں جان ہتھیلی پر رکھے ہے ایک میں ہوں جو گھر میں آرام سے بیٹھا ہوا ہوں۔ سلمیٰ اگر خدا نخواستہ مراد کو کچھ ہو گیا تو میں قسم کھاتا ہوں اُس کے مشن کو پورا کرنے کے لیے خود کفن باندھ کر میدان میں کود پڑوں گا۔

سلمیٰ نے روتے ہوئے کہا۔

نہیں فاروق نہیں۔ اب اور قربانی دینے کا حوصلہ ہم میں نہیں ہے۔ تم تو ہمارے سر پر سائبان کی مانند ہو جس کے سائے میں ہم پناہ لیئے ہوئے ہیں۔ یہ سہارا بھی

ہم سے چھن گیا تو ہم کہاں جائیں گی۔ وعدہ کرو ہمیں چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤ گے۔

فاروق نے محبت سے سلمیٰ کے آنسو پونچھتے ہوئے جواب دیا۔

یہی تو مشکل ہے سلمیٰ تم نے مجھے اس طرح اپنے دامن سے باندھ لیا ہے کہ تمہارا ہی اسیر ہو کر رہ گیا ہوں۔ نا جانے یہ اسیری کب ختم ہو گی۔ اب تم سے جدا رہ کر وقت کاٹنا میرے بس میں نہیں رہا۔ تمہیں دن رات محنت کرنی پڑتی ہے۔ لوگوں کے کپڑے سی سی کر تم نے اپنے اوپر بڑھاپا طاری کر لیا ہے۔ کب تک گھر بھر کے بوجھ کو اپنے کندھوں پہ اٹھائے رکھو گی اب اسے میرے کندھوں پر ڈال دو۔ تمہاری اجازت ہو تو کوئی موقعہ دیکھ کر بی بی صاحبہ سے بات کروں۔

سلمیٰ نے شرماتے ہوئے کہا۔

فاروق اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ ہماری روحوں کا ملاپ تو ہو چکا ہے۔

فاروق نے فکر مند انداز میں جواب دیا۔

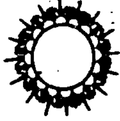
سلمیٰ تم آنے والے وقت سے واقف نہیں ہو۔ اگر یہ بھیڑیئے یہ مرہٹے دہلی کے تخت و تاج پر قابض ہو گئے تو مسلمان قوم کی آبرو ان کی دسترس سے محفوظ نہیں رہ سکے گی۔ یہ کافر جہاں تسلط جماتے ہیں اپنی ہوس کی تسکین کے لئے جوان جسموں کی منڈیاں سجا دیتے ہیں۔ اور پھر عزتیں بھی کھیتوں کی طرح سے پامال کر دیتے ہیں۔ اس کی مثال خود تمہارے سامنے موجود ہے جس کے لئے تمہارے بھائی نے آٹھ آدم خور گدھوں کو قتل کیا ہے۔ یہ لوٹ مار کا بازار گرم کرتے والے لٹیرے اپنے پرائے کسی میں تمیز نہیں کرتے یہ مرہٹے خون آشام بھیڑیئے ہیں۔

سلمیٰ نے کہا۔

اللہ کرے مراد بھائی بچ کر واپس آجائیں۔ میرا خیال ہے اماں بی کی بجائے اگر تم مراد بھیا سے بات کرو تو زیادہ بہتر ہے۔

فاروق نے جواب دیا۔

سنا ہے مراد بھائی کی سفارش کے لیے خود نواب فخر الدولہ دربار شاہی میں گئے ہیں۔ مجھے امید ہے بادشاہ اُن کی بات کو نہیں ٹالیں گے۔



پابندِ سلاسل

دربار آراستہ تھا۔ اہلِ دربار اپنی اپنی نشستوں پر براجمان تھے۔ دربار میں خرابِ صحت کی وجہ سے بادشاہ سلامت موجود نہیں تھے۔ اس لیئے قائم مقام شاہ کے فرائض وزیراعظم ادا کر رہے تھے۔ ویسے بھی حکومت کی باگ ڈور اندرونِ خانہ صفدر جنگ کے ہی ہاتھ میں تھی۔

احمد اللہ شاہ ثانی تو نظر بندی کی زندگی گزار رہا تھا۔ اُس کے تمام وفادار محافظ تبدیل کر دیئے گئے تھے اور اُن کی جگہ صفدر جنگ نے اپنے خاص ملازم نگرانی پر معمور کر دیئے تھے۔ جب کہیں بادشاہ کی ضرورت محسوس ہوتی اُسے بلا لیا جاتا ورنہ عام حالات میں سیاہ سفید کا مالک صفدر جنگ ہی بنا ہوا تھا۔ درباری سردار اُس کے ایرانی گروپ سے تعلق رکھنے والے ساتھی تھے جنہیں بڑے بڑے عہدے عطا کئے گئے تھے۔

صفدر جنگ نے نفرت اور حقارت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ تلوار ولے کے حصار میں کھڑے مراد کی سمت دیکھا اور طنزیہ انداز میں کہا۔ یاد رکھو نوجوان طاقت سے زیادہ بلند پرواز کرنے والے بالآخر آسمان کو تو چھو نہیں سکتے زمین پر منہ کے بل گر پڑتے ہیں۔ یہی نیت تمہاری ہے۔ تمہاری زبان کا زہر ہماری حکومت کے لیے ایک مسلسل خطرہ بنا ہوا ہے۔ بالآخر تم ہمارے شکنجے میں آ ہی گئے۔۔۔۔

مراد نے بات کاٹتے ہوئے بے خوف انداز میں جواب دیا۔

اور اب آپ مجھ سے انتقام لینا چاہتے ہیں۔

ہرگز نہیں۔ میں تمہیں اِس قابل سمجھتا ہی کب ہوں۔ ویسے بھی کتوں کے بھونکنے سے مسافر اپنا سفر ملتوی نہیں کیا کرتے تمہاری بغاوت کو میں صرف حماقت سمجھ کر نظر انداز کرتا رہا ہوں لیکن اب تم نے آٹھ مرہٹہ سپاہیوں کو قتل کیا ہے اور اُن کے سالار نے مجھ سے اپنے مجرم کو طلب کیا ہے اُن کا مطالبہ جائز ہے اس لیئے میں تمہیں مرہٹوں کے حوالے کر دینا چاہتا ہوں وہ تم سے بہتر انصاف کریں گے۔

اِس سے قبل کہ مراد کوئی جواب دے۔ دربار میں ایک گرجدار اور حزن و ملال میں ڈوبی ہوئی آواز نے سب کو اپنی طرف مخاطب کر لیا۔ یہ نواب فخر الدولہ تھے جو صفدر جنگ کی طرف بڑھتے ہوئے مخاطب تھے۔

عزت مآب وزیراعظم کی خدمت میں سلطنت مغلیہ کا یہ قدیم نمک خوار سلام عرض کرتا ہے۔

صفدر جنگ نے اپنے سفاک چہرے پر شفقت کا نقاب ڈالتے ہوئے اور زبردستی مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

خوش آمدید نواب صاحب بلاشبہ سلطنت مغلیہ کو آپ جیسے نمک حلالوں پر فخر ہے۔ فرمائیے بے وقت حاضر ہونے کا کیا مقصد ہے۔

نواب صاحب نے اپنے لہجے کو برقرار رکھتے ہوئے جواب دیا۔

ہم ایک فریاد لے کر آئے ہیں اپنے بادشاہ کے حضور جن کے آباؤ اجداد کے پسینے پر ہم نے اور ہمارے اہل خانہ نے ہمیشہ اپنا خون بہایا ہے۔ سلطنت مغلیہ کی عزت و ناموس کی خاطر ہم پشت در پشت سر دیتے چلے آئے ہیں لیکن آج سلطنتِ مغلیہ کے اِس پنج ہزاری منصب دار کی حویلی کی دیواروں کو پھلانگ

کہ ذلیل اور لٹیرے مرہٹوں نے ہماری عزت پر داغ لگانے کی کوشش کی ہے۔
مجھے قسم ہے مغلیہ جاہ جلال کی میرے بیٹے نے اس جلال کا سر نیچا نہیں ہونے دیا اور ان لٹیروں کو میرے اس بیٹے نے ایسا سبق دیا ہے کہ پوری مرہٹہ قوم اس زخم کو چاٹتی رہے گی۔ لیکن مجھے حیرت ہے اس گستاخی پر مرہٹہ سردار سے باز پرس کرنے کی بجائے میرے ہی بیٹے کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔

صفدر جنگ نے بڑے تحمل سے جواب دیا۔

نواب صاحب حضور سلطانِ معظم تو طبیعت ناساز ہونے کی وجہ سے تشریف فرما نہیں لیکن میں یہاں موجود ہوں۔ مغلیہ سلطنت کے لیے جس قربانی اور خدمات کا آپ نے ذکر کیا ہے بلاشبہ وہ قابلِ تحسین ہے۔ میں خود گواہ ہوں اس بات کا کہ آپ کی وفاداری ہر قسم کے شک اور شبہہ سے بالاتر ہے لیکن حیرت ہے جسے آپ فرزند کہہ رہے ہیں پچھلے کئی ماہ سے بلا کسی خوف و خطر سلطنتِ مغلیہ کے خلاف زہر اگلتا پھر رہا ہے۔ ہمیں علم ہے اس کے جسم میں آپکا خون نہیں ہے اس لئے یہ غداری پر آمادہ ہے اور غداروں کا لیڈر بنا ہوا ہے جس پر حکومت کے خلاف غداری کا الزام ہو وہ بھلا کیسے ایک نمک حلال اور وفادار عہدہ دار کا فرزند ہو سکتا ہے۔

صفدر جنگ کی بات سن کر نواب صاحب وقتی طور پر پریشان ہو گئے لیکن پھر جلدی ہی انہوں نے جواب دیا۔

یہ سچ ہے کہ مراد میرا اپنا بیٹا نہیں ہے لیکن جس طرح اس نے میری اور میرے ہاں موجود دوسرے مسلمانوں عہدے داروں کی بیٹیوں کی عزت بچائی ہے وہ اس سے بھی زیادہ عزت اور احترام کا مستحق ہے۔ اس کی جگہ اگر میرا بیٹا ہوتا تو یہی کچھ کرتا۔

صفدر جنگ نے کہا۔

زخمی مرہٹہ سردار کا یہ بیان ہے کہ وہ پکے ہوئے آم دیکھ کر حویلی میں داخل ہو گئے تھے کسی بری نیت سے نہیں گئے تھے اور وہ یہ بھی نہ جانتے تھے کہ یہ باغ اور حویلی آپکی ملکیت ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ لڑکیاں محض ان کی آمد سے خوف زدہ ہو کر چیخنے لگیں تھیں جس پر مراد نے اچانک ان پر حملہ کر کے کئی ایک کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔

نواب صاحب نے غصے سے جواب دیا۔

عزت مآب وزیر اعظم صاحب میں پوچھتا ہوں حویلی میری تھی یا کسی اور مسلمان امیر کی انہوں نے یہ جرأت کی کیوں۔ یہ مغلیہ دربار نہ تھا جس میں وہ جس وقت چاہیں دندناتے ہوئے داخل ہو جائیں۔

اس بھرپور طنز پر صفدر جنگ کو بھی غصہ آگیا اور دربار میں موجود کئی سرداروں کی تلواریں بے نیام ہو گئیں لیکن جلدی ہی صفدر جنگ نے اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

آپ نے جو طنز کی ہے وہ تیر کی طرح میرے سینے پر لگی ہے لیکن مجھے آپ کی بزرگی کا احترام ہے۔ مجھ سے غلطی ہوئی کہ آپکا منصب بحال رکھا اور آپکی وفاداری کو مدِ نظر رکھتے ہوئے آپ کو درباری سیاست سے ناآشنا جانا۔ میں نے آپ کو صرف سپاہی سمجھا تھا۔ لیکن اب پتہ چلا تلوار چلانے کے علاوہ آپ کو سیاست میں بھی خاصا دخل ہے۔ آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے اگر مرہٹے میری امداد کو موجود نہ ہوتے تو آپ جانتے ہیں کیسے کیسے سانپ اور بچھو مغلیہ فرمانرواں کو ڈسنے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ تاج شاہی محض اس لیے سلطانِ معظم کے سر پر موجود ہے کہ وہ مرہٹہ تلواروں کی حفاظت میں ہے۔

نواب صاحب نے کمر سے تلوار اتار کر صفدر جنگ کے قدموں میں

رکھتے ہوئے جواب دیا۔

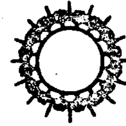
وزیر اعظم درباری سیاست کو مجھ سے بہتر سمجھتے ہیں۔ میں آپ کو اپنی غلطی پر مز
پچھتانے کا موقع دینے کی بجائے اس منصب کو واپس لوٹا رہا ہوں۔ چونکہ میری وفا
آپ کی نظر میں مشکوک ہو چکی ہے لہذا جلد ہی دہلی چھوڑ کر ہمیشہ کے لیے چلا جا

صفدر جنگ نے بڑی عیاری سے کام لیتے ہوئے تخت سے اتر کر تلوار اٹھا
اسے دوبارہ نواب صاحب کی کمر سے باندھتے ہوئے کہا۔

ایک چھوٹی سی بات سے آپ ناراض ہو گئے ہیں۔ آپ ہی بتائیں مرہٹہ سر
آٹھ سپاہیوں کے قاتل کو ہم سے طلب کیا ہے اُس کو مطمئن کرنے کے لئے یہی بہتر
مراد کو اُن کے حوالے کرنے کی بجائے میں پابندِ سلاسل کر دوں تاکہ اُس کا وقتی جو
ہو جائے۔ اس کی زندگی کی ہم آپ کو ضمانت دیتے ہیں اور آپ کو مخلصانہ رائے
ہیں کہ آپ فی الحال واپس تشریف لے جائیں۔

نواب صاحب افسردہ حالت میں مراد کے پاس آئے اُس کا ماتھا چوما او
غم میں ڈوبی آواز میں کہا۔

بیٹے بہادروں پر ایسے بھی وقت آتے رہتے ہیں جب انہیں زندان کی
سپرد کر دیا جاتا ہے۔ فکر مت کرو میں تمہاری رہائی کی پوری کوشش کروں گ



بدلے ہوئے انداز!

بی بی صاحبہ نے سجدے سے سر اُٹھایا تو اُن کی بے نور آنکھوں سے آنسو نکل کر اُن کے چہرے پر پھیل گئے۔ دل کا بوجھ اپنے آپ ہلکا ہو گیا تھا نہ جانے اُن کا دل اس سجدے کے بعد مطمئن کیوں ہو گیا تھا۔ اُسی وقت سلمٰی بھاگتے ہوئے کمرے میں داخل ہو کر ماں سے لپٹ گئی۔

بی بی صاحبہ نے پوچھا۔

لڑکی دیوانی ہوئی ہے۔ کیا بڑا مل گیا ہے تجھے۔

سلمٰی نے خوشی کے آنسوؤں کے ساتھ شدت جذبات سے کہا۔

امی جان مجھے میرا بھائی مل گیا ہے۔ نواب فخر الدولہ کی سفارش پر وزیر اعظم صفدر جنگ نے اُن کی زندگی کی ضمانت دے دی ہے صرف مرہٹوں کو خوش کرنے کے لئے وقتی طور پر انہیں جیل میں بند کر دیا ہے۔

یہ سب باتیں تجھے کس نے بتائی ہیں ؟ بی بی صاحبہ نے سوال کیا تو سلمٰی نے قدرے شرماتے ہوئے جواب دیا۔

بی امی وہ...... وہ...... وہ ہیں ناں۔

"کون ہیں وہ ؟"

"بی امی وہ اپنے بھائی جان کے دوست ہیں ناں فاروق۔"

بی بی صاحبہ نے قدرے حیرت سے سوال کیا۔

یہ ساری باتیں تجھے فاروق نے بتائی ہیں۔ فاروق گھر میں آیا تھا یا تو.....

سلمٰی نے گھبراتے ہوئے جواب دیا۔

نہیں بی امی نہ میں باہر گئی تھی اور نہ ہی وہ گھر آئے تھے۔ بات دراصل یہ ہے کہ وہ...... وہ۔

بی بی صاحبہ نے سب کچھ سمجھتے ہوئے افسردگی کے ساتھ بیٹی سے کہا۔

بیٹی سلمٰی آج مجھے احساس ہوا ہے کہ تُو جوان ہو گئی ہے۔ جب بیٹی کی زبان ما کے ساتھ بات کرتے ہوئے بار بار رکنے لگے تو ماں کو بیٹی کے جذبات کو سمجھنا چاہیئے۔ فاروق اچھا لڑکا ہے لیکن اُسے ایک اندھی ماں کے اعتماد کو ٹھیس پہنچانی چاہیئے تھی اُسے تمام حالات تجھے بتانے کی بجائے سیدھا میرے آنا چاہیئے تھا۔

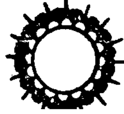
امی آپ خواہ مخواہ پریشان نہ ہوں۔ خدا کی قسم یہ باتیں انہوں نے دروا سے باہر کھڑے ہو کر مجھے بتائیں جب کہ میں دروازے کی آڑ میں تھی۔

بی بی صاحبہ نے بڑی تحمل سے جواب دیا۔

سلمٰی بیٹی مجھے اپنے خون پر اعتماد ہے لیکن یہ بات ذہن میں رکھنا ما اندھی ہی کیوں نہ ہو جوان بیٹی کے بدلے ہوئے انداز کو دیکھ لیتی ہے کا دل کس رفتار سے دھڑکتا ہے اس سے ماں خوب واقف ہوتی ہے بیٹی خاندان کی عزت۔ آبرو اور وقار تیرے پاس امانت ہے جب تک ت بھائی نہ آ جائے اس کی پوری ایمانداری سے حفاظت کرنا۔ مراد خیریت آ جائے تو میں اپنے فرض سے سبکدوش ہو جاؤں۔

سلمٰی ماں سے لپٹ کر رونے لگی تو بی بی صاحبہ نے اُس کے ہاتھ پھیرتے ہوئے محبت سے کہا۔

میں نے کوئی غلط بات تو نہیں کہی۔ بیٹیاں تو پیدا ہوتے ہی پرائی ہوتی ہیں۔ وہ ماں باپ کے گھر امانت ہوتی ہیں اور ماں باپ جتنی جلدی اُسے اصل ماں باپ کے حوالے کر دے بہتر ہے۔



سوکھے ہوئے پتے

آج کل ارجمند کی کچھ عجیب کیفیت ہو کر رہ گئی تھی۔ اُس نے سہیلیوں سے نا یہاں تک کے اپنے کمرے سے بھی نکلنا بند کر دیا تھا۔ اس کی اس بدل یت سے نواب صاحب کو بے حد تشویش تھی لیکن وہ اس طرف زیادہ توجہ بجائے ملکی حالات کے بدلتے ہوئے تقاضوں سے کافی پریشان تھے۔ درا کے ایک ملازم سے انہیں علم ہو چکا تھا کہ بادشاہ نظر بندی کی زندگی گزار رہا صفدر جنگ بادشاہ سلامت کی جان کا دشمن ہو گیا ہے۔ دشمنی کی بڑی ہے کہ سلطانِ معظم نے صاف طور پر صفدر جنگ کو کہہ دیا ہے کہ وہ مرہٹہ دوستی زیادہ مسلمان امرا کی دشمنی کو پسند کرتے ہیں اس لیے کہ مغلیہ تاج و تخت ہی ہے تو کسی مسلمان کے پاس جائے وہ ہندوستان میں مرہٹہ اقتدار کو قوم کی موت سے تعبیر کرتے ہیں۔ لہذا اُن کا زیادہ تر وقت گھر سے باہ رہا تھا۔

ارجمند اپنے کمرے میں بند کاغذ سامنے رکھے کچھ دیکھ رہی تھی کہ اُ سہیلیوں۔ طلعت۔ رعنا اور ماہ جبیں نے یلغار کر دی۔ طلعت نے تو کاغذ ارجمند کے ہاتھ سے اچک لیا اور باآواز بلند پڑھنے لگی ؎

ضبط کرتا ہوں تو ہر زخم لہو دیتا ہے   آہ بھرتا ہوں تو اندیشۂ رسوائی

شعر سنتے ہی سب سہیلیاں کھلکھلا اٹھیں۔ طلعت زیادہ شوخ تھی اُس نے ارجمند کے گدگدی کرتے ہوئے کہا۔

نواب زادی صاحبہ آخر دل کا چور پکڑا ہی گیا۔ واہ کیا خوب اپنے دل کی ترجمانی شعر میں کی ہے۔

ارجمند نے اُس کے چٹکی لیتے ہوئے کہا۔

واہ یہ شعر میرا تھوڑی ہے یہ تو کسی شاعر کا شعر ہے۔ رخسانہ کے ہاں مشاعرہ میں گئی تھی شعر اچھا لگا لکھ لیا۔

رعنا نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

دیکھو بی ارجمند تمہارے دل میں جو محبت کا گلاب کھل رہا ہے اُس کی خوشبو سے تمہارا بدن مہک رہا ہے اور تم جانتی ہو عشق اور مشک چھپائے سے نہیں چھپتے۔ محبت رازدان چاہتی ہے جس سے دل کی بات کہہ کر بوجھ ہلکا کر لیا جائے۔ اپنی سہیلیوں سے دل کا حال نہ کہو گی تو پھر کس سے کہو گی۔ نواب چچا اپنی پریشانیوں کے باوجود تمہارے لئے فکر مند ہیں۔ فرما رہے تھے ارجمند کمرہ بند ہو کر رہ گئی ہے۔

ماہ جبیں نے کہا۔

ادھر مراد صاحب پابندِ سلاسل ہوئے ادھر ہی ارجمند اپنے کمرے میں اسیر ہوئیں بھلا کوئی ان سے پوچھے "کیوں صاحب کمرے میں بند ہو جانے سے مراد بھائی کی اسیری پر کیا اثر پڑے گا۔"

مراد کے ذکر پر ارجمند کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور اُس نے روہانسی آواز میں کہا۔

یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا ہے۔ میری عزت کی حفاظت میں مراد نے مرہٹوں کے خلاف تلوار اُٹھائی اور انہیں قتل کر دیا۔ انہوں نے میری زندگی پر اتنا

بڑا احسان کیا لیکن وقت نے مجھے اتنی مہلت بھی نہ دی کہ اس احسان کا شکریہ ہی ادا کرسکی
میرے دل پر یہی بوجھ ہے کہ اُس سے مل کر اس احسان کا شکریہ ادا کروں اور اگر ہوسکے
تو اس احسان کا بدلہ اتارنے کی کوشش کروں۔

طلعت نے جواب دیا۔

میری بھولی چڑیا محبت کی ابتداء اسی طرح ہوتی ہے اور انتہا الاماں الحفیظ
پھر انسان ضبط و آہ کی قید سے آزاد ہو کر مثل مجنوں صحرا کی راہ لیتا ہے۔

رعنا نے کہا۔

مذاق چھوڑو طلعت اگر ارجمند تم واقعی سنجیدہ ہو تو ملاقات کا بندوبست بڑی
آسانی سے ہو سکتا ہے۔

"اگر کسی کو علم ہوگیا تو؟" ارجمند نے سوال کیا۔

جواب میں رعنا نے کہا "جو چور کی سزا وہ میری" ذرا غور سے سب سنو تم سب
جانتی ہی ہو میرے ابو داروغہ جیل ہیں۔ اور انہی کی نگرانی میں میاں مراد جیل میں
ہیں۔

اس سے کیا ہوتا ہے؟ ارجمند نے سوال کیا۔ تو رعنا نے جواب دیا۔

بس میں ابو سے کہہ کر کسی بھی رات یہ ملاقات کروا سکتی ہوں۔

"لعنت ہے" ارجمند نے کہا۔ واجد چچا مجھے تم سے زیادہ پیار کرتے ہیں
سے کہو گی کہ ارجمند مراد سے ملاقات کرنا چاہتی ہے۔

"اُوہوں۔ اب اتنی بھی کم عقل مجھے نہ سمجھو میں یہ کہونگی کہ مراد کا ایک دوست
اُس سے ملاقات کرنا چاہتا ہے" رعنا نے جواب دیا۔

بہت خوب اب یہ بھی بتا دو کہ دوست کی جگہ بی ارجمند کو کیسے فٹ کروگی
ماہ جبیں نے سوال کیا تو رعنا نے جواب دیا۔

یہ سب مجھ پر چھوڑو میرے بھائی ارشاد کے کپڑے آسانی سے ارجمند کو آسکتے
ہیں۔ شیروانی۔ چوڑی دار پاجامہ اور سر کے بال چھپانے کے لیے کلف لگا ہوا صافہ۔
اب بتاؤ سب کا کیا خیال ہے؟

طلعت نے جواب دیا۔

یار خیال تو بُرا نہیں۔ اب بی ارجمند کی رائے بھی لے لو۔

ارجمند نے جواب دیا۔

ترکیب تو اچھی ہے لیکن رات کے وقت گھر سے باہر جانے کا کیا جواز پیدا کیا
جائے گا۔

"یہ تم مجھ پر چھوڑ دو" رعنا نے کہا۔ میں نواب چچا سے یہ کہہ کر تمہیں ساتھ لے
جاؤں گی کہ میری ماموں زاد بہن عشرت کی مہندی ہے۔ جب کہ یہ بھی حقیقت ہے ہمارا
سارا گھر اس ہنگامے میں مصروف ہوگا اور ہمیں موقعہ مل جائے گا۔ آج جاتے ہی ابو
سے اُن کے نائب کے نام ملاقات کا اجازت نامہ میں لکھوا لوں گی رات تم تیار
رہنا میں خود آکر تمہیں لے جاؤں گی۔

ارجمند کے چہرے پر مسکراہٹ دیکھ کر ماہ جبیں نے کہا۔

خدا کا شکر ہے ان محترمہ کے چہرے پر بھی ہنسی آئی کچھ دیر پہلے لگتا تھا موسم
خزاں کا دور دورہ ہے۔ سوکھے پتے کی طرح مرجھائی بیٹھی تھیں۔

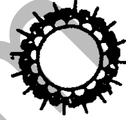
طلعت نے کہا۔

سچ کہتی ہو ارجمند ہنستی ہے۔ تو پھول جھڑتے ہیں اور لگتا ہے موسم
گل ہے بہار آگئی ہے۔

رعنا نے کہا۔

چلو بی لڑکیوں اب اُٹھو ذرا چائے کا دور ہو جائے۔

"آئے بی اماں تم نے تو میرے مونہہ کی بات چھین لی" ماہ جبیں نے رعنا کو جواب دیا۔ اس پر سب لڑکیاں قہقہے لگاتے کمرے سے باہر نکل آئیں۔



پسِ دیوارِ زنداں

زنداں کی سنگین دیواروں کے اندر جو اندھی گونگی اور بہری ہیں دن بھر کی مشقت کے بعد قیدی ایک جگہ بند اکٹھے بیٹھے تھے اور اپنے اپنے دکھوں کی داستانیں ایک دوسرے کو سنا کر دل کا بوجھ ہلکا کر رہے تھے۔ ان میں ایک قیدی ایسا بھی تھا جسکا اس دنیا میں کوئی نہ تھا۔ اور اس کی تمام عمر ہی جیل میں کٹ گئی تھی لہذا وہ یقایا تمام سے الگ ایک کونے میں بیٹھا ہلکے سروں میں گا رہا تھا ؎

چلے بھی آؤ کے گلشن کا کاروبار چلے
گلوں میں رنگ بھرے بارِ نوبہار چلے

اس بارک کے بالکل سامنے ایک کوٹھری میں تنہا مراد بند تھا اور جیل کی سلاخوں سے لگا یہ تمام منظر دیکھ رہا تھا۔ وہ بے حد اداس تھا۔ اس لئے نہیں کہ وہ قید تھا بلکہ اس لئے کہ اس کے قید ہونے سے تحریک کے کئی اہم کام ادھورے رہ گئے تھے۔ اس نے ٹھنڈی سانس لیکر روزنِ زنداں کی طرف دیکھا جو بجھ چکا تھا اس نے سوچا اس کے وطن کی مانگ ستاروں سے بھر گئی ہو گی۔ کیونکہ روزن سے روشنی کی جگہ تاریکی جھانکنے لگی تھی۔

پتھر کے فرش پر پڑتے ہوئے بھاری قدموں کی چاپ نے اس کے خیالات کے تسلسل کو توڑ دیا اس نے ناگواری سے سلاخوں کے باہر جھانکا ایک سپاہی آکر کھڑا ہو

...تھا اور پھر اُس نے کہا۔

مراد تمہارا کوئی دوست ملاقات کے لیے آیا ہے۔

مراد نے حیرانی سے سپاہی کی طرف دیکھا اور سوچا۔ کون ہو سکتا ہے۔ شاید کوئی ...اہ صاحب قبلہ کا کوئی پیغام لیکر آیا ہے۔

سپاہی کے جانے کے بعد ایک نوجوان کالی شیروانی اور چوڑی دار پاجامے میں ...وس سر پر پگڑی باندھے آکر سلاخوں کے پاس کھڑا ہو گیا۔ مراد نے اُسے پہچاننے کی ...وشش کرتے ہوئے سوال کیا۔

اِس سے قبل تم سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی۔ تم کون ہو اور مجھ سے ملاقات کا کیا ...قصد ہے؟

نوجوان کے سوگوار چہرے پر غم کی گھٹائیں چھا گئیں اور آنکھوں سے ساون بھادوں ...ی جھڑی لگ گئی۔ لیکن یاقوتی ہونٹوں پر مہر لگی ہوئی تھی جس نے مراد کو ورطۂ حیرت میں ...ال دیا۔ اُس نے دوبارہ مگر ملائمیت سے پوچھا۔

تم نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔ کوئی پیغام لے کر آئے ہو۔ ضرور قبلہ شاہ صاحب ...ا کوئی پیغام ہوگا۔

نوجوان کے ہونٹوں کو جنبش ہوئی اور اُس نے غم زدہ آواز میں جواب دیا۔

ہاں پیغام ہے لٹی ہوئی دل کی اُس محفل کا جہاں اب دھول ہی دھول اڑ رہی ...ہے۔ ہوس کے بادل دل سے اُٹھ کر آنکھوں سے ساون بھادوں کی طرح برس رہے ...یں۔ حیران ہوں کس طرح اپنے محسن کا شکریہ ادا کروں جو مہمان بن کر آیا اور سب کچھ لوٹ کر چلا گیا۔

جونہی نوجوان نے اپنے آنسو پونچھنے کے لیے اپنے ہاتھ چہرے کی طرف ...ٹھائے مراد نے اُس کی انگلی میں ہیرے کی وہ انگوٹھی دیکھ لی جو اُس روز وہ

ارجمند کی انگلی میں دیکھ چکا تھا اُس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اُس نے سرگوشی کی۔

ارجمند۔ آپ اِس حلیئے میں۔

ارجمند نے اُس کے سوال کا جواب دینے کی بجائے کہا۔

چند ہی روز میں چہرہ کیسے مرجھا کر رہ گیا ہے لگتا ہے جیل میں آپ کے ساتھ اچھا برتاؤ نہیں ہو رہا۔

مراد نے جواب دیا۔

ارجمند صاحبہ یہ جیل ہے آغوشِ مادر تو نہیں پھر حکومت کے خلاف آواز اُٹھانے والے قیدیوں کو باغی سمجھا جاتا ہے اور باغی لوگ بدترین سلوک کے مستحق سمجھے جاتے ہیں لیکن سرفروشوں کے لئے یہ کوئی نئی بات تو نہیں حق اور سچ کی صدا ہمیشہ سولی پر کھڑے ہو کر بلند ہوتی ہے۔ میں تو ابھی تک جیل کی کوٹھری میں موجود ہوں

ارجمند نے جواب دیا۔

مراد میرے پاس جذبات بہت زیادہ ہیں لیکن وقت بہت مختصر ہے ان کے اظہار کے لئے میں اپنے خاندانی وقار کو داؤ پر لگا کر آئی ہوں اس لیے اس کا اظہار ضروری ہے۔ ہمارے درمیان بہت بڑی بڑی اور بلند دیواریں حائل ہیں۔ معاشرے کی دیواریں۔ خاندانی وقار کی دیواریں زندان کی دیواریں اس کے باوجود اپنے دل کے گوشے میں اس بات کو محفوظ کر لو کہ جیل کے باہر کوئی زندگی کے آخری سانس تک تمہارا انتظار کرے گا۔

مراد نے جواب دیا۔

ارجمند میرے اور تمہارے درمیان فاصلہ بہت زیادہ ہے میری زندگی موت کے بہت قریب ہے۔ میں ساحل سے دور ڈوبتی ہوئی کشتی کا سوار ہوں تم کنا...

پرکھڑی ہو سب کچھ دیکھتے ہوئے بھی اِس شکستہ کشتی میں سوار ہونا چاہتی ہو جس کی قسمت ہی ساحل سے دور ڈوب جانا ہے۔

ارجمند نے بڑے دُکھ کے ساتھ کہا۔

آخر تم زندگی سے اتنے مایوس کیوں ہو۔ وقتی طوفان سے گھبرا گئے ہو یہ بھی تو ممکن ہے کہ اِس طوفان میں کوئی بہتا ہوا ساحل ہی آجائے یا کوئی مہربان تھپیڑا اس کشتی کو طوفان سے نکال کر ساحل پر لے آئے۔ نا امیدی گناہ ہے۔

مراد نے جواب دیا۔

ارجمند صاحبہ دیئے کی لَو جب پھڑ پھڑانے لگے تو دیئے کو علم ہوتا ہے کہ اس کا تیل ختم ہو گیا ہے۔ وزیراعظم صفدر جنگ کی خاموشی کسی ایسے ہی طوفان کا پتہ دے رہی ہے جس کے آنے سے قبل ہوا خاموش اور ساکت ہو جاتی ہے۔ زندگی کی یہ چند گھڑیاں جو مجھے فلحال میسر ہیں وہ قبلہ نواب صاحب کی مرہونِ منت ہیں ورنہ میں کب کا مقتل کی نذر ہو چکا ہوتا۔

ارجمند نے کہا۔

میری بات غور سے سُن لو مراد اگر تم زندہ نہ رہے تو پھر ایک جنازہ جیل سے اُٹھے گا اور دوسرا میری حویلی سے۔ عورت زندگی میں صرف ایک بار کسی مرد کو چاہتی ہے زندہ بچ کر آگئے تو میری مانگ میں افشاں بھر دینا ورنہ روحوں کے ملاپ کو تو کوئی روک نہیں سکتا۔ وقت ختم ہو رہا ہے مجھے تمہارے فیصلے کا انتظار ہے۔

ہاں وقت ختم ہو رہا ہے۔ ارجمند موت کی دہلیز پر کھڑے ہو کر تم سے جھوٹ نہیں بولوں گا زندہ بچ گیا تو سب سے پہلے وطن کی اجڑی ہوئی مانگ میں ستارے بھروں گا یہ وطن کی سرزمین جو میری ماں ہے اور تم جانتی ہو عاقبت ماں کی دعاؤں سے بنتی ہے محبوبہ کی اداؤں سے نہیں۔ میرے دل پر پہلے ہی بہت بڑا بوجھ ہے

تم نے اس میں اضافہ کر دیا ہے۔ کیا ہی بہتر ہوتا اگر تم اِس تعلق کو توڑ دو ارجمند تم نے گلوں پر چلتے پرورش پائی ہے جب کہ میری راہ میں کانٹوں کے سوا کچھ نہیں اِس راہ پر ننگے پاؤں تم نہ بھاگ سکو گی۔ لوٹ جاؤ اس راستے سے ارجمند جس کی کوئی منزل ہی نہیں۔

مراد بولتا رہا۔ ارجمند روتی رہی اور پھر اچانک اُس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرے پھیل گئے۔ اُسے جیل کی در و دیوار زلزلے کی طرح گھومتی نظر آنے لگیں۔ مراد کا چہرہ اُسے تاریکیوں میں گم ہوتا نظر آیا۔ پھر اگر دو مضبوط بازوؤں نے اُسے سنبھال نہ لیا ہوتا تو وہ زمین پر گر پڑتی۔

ارجمند کو جب ہوش آیا تو وہ ایک آرام دہ بستر پر پڑی تھی جب کہ اُس کے سرہانے رعنا سر جھکائے سوگوار بیٹھی تھی اور کمرے میں داروغہ جیل واجد علی خان بڑی پریشانی کے عالم میں ٹہل رہے تھے۔ اُس کا سَر اِس طرح بھاری اور درد سے پھٹا جا رہا تھا جیسے کوئی اُس پر ہتھوڑے برسا رہا ہو۔ اُس نے سر درد سے نجات حاصل کرنے کے لیے دوبارہ اپنی آنکھیں بند کر لیں اور سننے لگی۔ واجد علی خان اپنی بیٹی رعنا پر برس رہے تھے لیکن آواز بلند ہونے کی بجائے سرگوشیوں تک محدود تھی۔

یہ تو نے بہت برا کیا لڑکی اگر میں عین وقت پر آ نہ جاتا تو یہ راز فاش ہو جاتا اور پھر وزیراعظم مجھے بھی باغیوں سے ملا ہوا سمجھ کر اس عہدے سے ہٹا کر جیل میں بند کر دیتا۔ رعنا بیٹی خدا کی قسم ارجمند مجھے تم سے زیادہ عزیز ہے لیکن میری اس پگلی بیٹی نے اپنا آشیانہ بجلیوں کے مسکن پر بنایا ہے۔ مراد کے معاملے میں گو وقتی طور پر وزیراعظم نے نواب صاحب کو مطمئن کر دیا لیکن اُس کے دل سے کینہ نہیں گیا۔

ارجمند نے پوری طرح سے اپنے کان اس طرف لگا دیئے۔

جانتی ہو اُس نے مجھے بلا کر کیا حکم دیا ہے۔؟

ارجمند کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ رعنا نے سوال کیا۔

کیا حکم جاری ہوا ہے وزیراعظم کی طرف سے۔؟

واجد علی خاں نے جواب دیا۔

انہوں نے حکم دیا ہے کہ کل ہی رات مراد کو جیل سے خفیہ طور پر نکال کر مرہٹوں کے حوالے کر دیا جائے۔ مرہٹوں کے سردار دتاجی سندھیا نے بڑی سختی سے اُن کے آٹھ سپاہیوں کے قاتل کا مطالبہ کیا ہے اور مراد کو لے جانے کے لیے ا ایک فوجی دستہ بھیج دیا ہے لیکن بغاوت کے ڈر سے وزیراعظم صفدر جنگ ا خفیہ رکھنا چاہتا ہے۔ اُس نے مجھے بلا کر حکم دیا ہے کہ کل رات مراد کو خفیہ طریقے سے نکال کر شہر سے باہر مرہٹہ فوجی دستے کے سپرد کر دیا جائے۔

رعنا نے تشویش کے ساتھ کہا۔

یہ تو بہت برا ہوا ابو۔ کیا آپ مراد کی کوئی مدد نہیں کر سکتے۔ میرا مطلب کسی طرح اُسے جیل سے فرار کرا دیا جائے۔

واجد علی خان نے جواب دیا۔

دیوانی ہوئی ہے لڑکی کیوں مجھے پھانسی کے تختے پر دیکھنا چاہتی ہے۔

ابو جی اگر مراد بھائی کو کچھ ہو گیا تو ارجمند بھی مر جائے گی وہ بڑی لڑکی ہے۔

ارجمند کی یہ حالت تھی کہ اُسے اپنے چاروں کڑکتی اور چمکتی بجلیوں کا حصار کوندتا نظر آ رہا تھا۔ اُسے لگ رہا تھا کہ اُس کے دل کی حرکت بند ہو جائے

آخر کچھ سوچ کر واجد علیخاں نے رعنا کو جواب دیا۔

رعنا بیٹی ارجمند مجھے بہت عزیز ہے میں اُس کے احساسات اور جذبات سے واقف ہو گیا ہوں خدا کا شکر ہے مجھے اس حقیقت کا علم ہو گیا۔ ایک ترکیب ذ میں آئی ہے جس سے میری عزت بھی بچ سکتی ہے اور مراد کی جان بھی۔

رعنا نے بے صبری سے سوال کیا۔

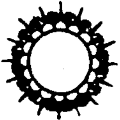
وہ کیا ابو جی جلدی بتائیے۔

ارجمند کا دل ایک بار پھر زور زور سے دھڑکنا شروع ہو گیا۔ واجد علی خان نے رعنا کے قریب آ کر چاروں طرف دیکھ کر کہا کہ کوئی موجود نہیں سرگوشی کی نہایت مدہم آواز میں۔

بیٹی میں اپنے فرض کی بجا آوری کرتے ہوئے آدھی رات کو مراد کو جیل سے نکال کر شہر سے باہر مرہٹہ فوجی دستے کے سپرد کر دوں گا۔ کسی صورت اس کی اطلاع احمد اللہ شاہ تک پہنچانا پڑے گی کہ وہ اپنی کفن پوش تنظیم کے نوجوانوں کو پہلے سے تیار کر کے شہر سے باہر کہیں چھپا دیں جب میں مراد کو مرہٹوں کے حوالے کر کے لوٹ آؤں اور مرہٹے اسے ساتھ لے کر چل دیں تو اس تنظیم کے نوجوان اچانک مرہٹہ فوجیوں پر حملہ کر کے ان کو قتل کر دیں اور مراد کو آزاد کروا کر لے جائیں۔

"ابو جی کہہ کر رعنا خوشی سے باپ کے ساتھ لپٹ پڑی اُس کی آنکھ میں خوشی کے آنسو آ گئے وہ ارجمند کو بہنوں سے زیادہ پیار کرتی تھی۔

جونہی باپ اور بیٹی ارجمند کو آرام کرتا کمرے سے باہر نکل گئے۔ ارجمند بستر سے اُٹھ کھڑی ہوئی اُس کے جسم پر ابھی تک اچکن اور چوڑی دار پاجامہ تھا اور پاس میز پر پگڑی پڑی تھی۔ ارجمند نے جلدی سے پگڑی سر پر سجائی اور دبے پاؤں باہر نکل گئی۔



رہائی

یہ ایک تاریک رات تھی آسمان پر سیاہ بادل کفن کی طرح اُمڈے ہوئے تھے ۔ ہوا سسکیاں بھرتی چل رہی تھی ۔ قیدیوں کی بارک میں کے تھکے ہوئے قیدی لمبی تانے سو رہے تھے ۔ آدھی رات گزر چکی بارک کا وہ قیدی اب بھی جاگ رہا تھا جو شامِ الم ڈھلتے ہی درد کی ہوا دبائے جاگ رہا تھا۔ جیل کے فرش پر قدموں کی مدھم آواز سنائی دے جو لمحہ بہ لمحہ قریب آتی جا رہی تھی اور پھر یہ قدم مراد کی کوٹھری کے پاس آکر بانورے قیدی نے حسرت و یاس سے کوٹھری کی طرف دیکھا جسے وہ مراد سے واقف ہو ۔ وہ برسوں سے آدھی رات کو کوٹھری سے لے جانے انجام سے واقف تھا جو پھر کبھی لوٹ کر نہ آئے تھے ۔ لوہے کا بھاری سپاہیوں نے زنجیروں میں جکڑے ہوئے مراد کو باہر نکالا اور پھر خام اُسے لے کر روانہ ہوئے ۔ بانورے قیدی کے دلی جذبات امڈ آ نے اظہار کے لئے اپنے ہونٹ کھولے اور سرگوشی کی ۔

مقام فیض کوئی راہ میں جچا ہی نہیں
جو کوئے یار سے نکلے تو سوئے دار چلے

سسکیوں کے درمیان باولا قیدی گا رہا تھا۔

دوسری طرف شہر سے باہر مرہٹوں کے خیمے میں رقص و سرور کی محفل آراستہ تھی. کہیں سے طائفوں کو پکڑ لائے تھے اور اس وقت ان کے رقص و نغمہ کے ساتھ تھ جام بھی کھنک رہے تھے اور نشے کی ترنگ میں مرہٹے باؤلے کتوں کی طرح ئفوں کو نوچ رہے تھے جو مجبور ہو کر ان وحشی بھیڑیوں کو رقص اور نغمے سے بہلائے ئے تھیں ۔ اچانک ہی ایک محافظ سپاہی نے اس دستے کے خیمے میں آکر لار کے کان میں کچھ کہا۔

سالار نے اشارے سے محفل کو برخواست کیا اور پھر اس دستے کو جس میں یباً بچاس مرہٹے سپاہی موجود تھے کوچ کا حکم دیا۔ مغل سپاہیوں نے زنجیروں ں جکڑے مراد کو لا کر ان کے حوالے کر دیا۔ سالار نے مراد کو اپنے گھوڑے کی م سے باندھ دیا اور پھر مراد کو پیدل ہی اپنے گھوڑوں کے درمیان لے کر چل دیئے مرہٹہ سالار اور سپاہی نشے کی ترنگ میں اوٹ پٹانگ باتیں کرتے ہوئے ر سے کافی دور نکل آئے پھر اچانک ہی رات کی تاریکی میں بجلیاں چمکنے لگیں یہ فن پوش تحریک کے نوجوان تھے جو ننگی تلواریں سونت کر اچانک ان شرابی رہٹوں پر ٹوٹ پڑے تھے اور جنکی تلواریں قضائے الٰہی بنکر ان بھیڑیوں پر ٹوٹ پڑی تھیں ۔ ان لوگوں نے مرہٹوں کو اتنا موقع ہی نہ دیا کہ وہ مزاحمت کر سکیں ور ان بچاس مرہٹوں کو گاجر اور مولی کی طرح کاٹ پھینکا اور مراد کو رہا کرا کر رات کی تاریکی میں غائب ہو گئے۔

احمد اللہ شاہ اپنی خانقاہ میں بیقراری سے ٹہل رہے تھے کہ کفن پوش نوجوان مراد کو لیکر یہاں پہنچ گئے ۔ شاہ صاحب نے مراد کو گلے لگاتے ہوئے کہا

مراد بیٹے خدا کا شکر ہے ہمیں بروقت صفدر جنگ کی بدنیتی کا پتہ چل گیا ورنہ

یہ خانہ ہر بیٹے خدا جانے تمہارے ساتھ کیا سلوک کرتے بیٹے اب ماں کا
تمہارے لیئے کانٹوں کی سیج بن گئی ہے تمہیں ہر قیمت پر سورج نکلنے سے
دہلی سے رخصت ہونا ہے ہم نے روہیلہ سردار نجیب الدولہ کے پاس پ
ہے۔ وہ اسلام کا سچا سپاہی ہے اور قوم وملک کا وفادار ہے میں نے اُ
نام تعارفی خط لکھ رکھا ہے اسے ساتھ لے جانا۔

مراد نے مؤدب انداز میں کہا۔

اگر اجازت ہو تو آخری بار ماں اور بہن کو مل لوں۔

شاہ صاحب نے شفقت سے جواب دیا۔

ضرور بیٹے جاتے ہوئے ماں کی دعائیں ساتھ لے کر جاؤ وہ تمہیں ہر
سے محفوظ رکھیں گی لیکن اس سے قبل کمرے میں موجود اس نوجوان کو م
جس کی اطلاع پر ہم نے تمہیں رہائی دلوائی ہے۔ وہ بیچارہ بڑی بے تابی
منتظر ہے۔

شاہ صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا تو مراد سوچتا ہوا اپنے محر
کمرے میں داخل ہوگیا۔

مراد کمرے میں داخل ہوا تو سامنے مردانہ لباس میں ارجمند حسرت ا
بن کر کھڑی تھی۔ مراد نے ارجمند اور ارجمند نے مراد کو دیکھا لب خاموش
ارجمند نے اپنا دل نکال کر آنکھوں میں رکھ دیا تھا۔ دونوں خاموش تھے
رات کا ایک ایک لمحہ آہستہ آہستہ گزرتا جا رہا تھا۔ بل آخر مراد
خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔

تم نے احسان اتارنے میں دیر نہیں لگائی ارجمند۔

ارجمند نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

آپ دہلی سے جا رہے ہیں۔ میرے پاس تو آنسوؤں کا خزانہ بھی ختم ہوگیا ہے
ہتی ہوں جانے والے کو کیا نذر کروں۔ دل نکال کر قدموں میں پہلے رکھ چکی
ں لیکن آپ نے اُسے ٹھکرا دیا۔ کاش اس وقت سے پہلے ہی ہمیں موت آ
ی ہوتی۔

ارجمند رونے لگی تو مراد نے اپنے رومال سے اُس کے آنسو خشک کئے
پھر کہا۔

ارجمند میں تمہارے جذبات کی قدر کرتا ہوں۔ تم یہ کیوں سمجھ بیٹھی ہو کہ میرے
دمیں پتھر کا دل ہے۔ میں بھی انسان ہوں۔ محبت صرف حاصل کر لینے کا ہی نام
یں محبت اُس قربانی کا نام ہے جو اپنی خواہشات کے خلاف جہاد کرتے ہوئے
ب کچھ کسی بلند مقصد کے لیئے لٹا دیا جائے تقدیر امم میں شمشیر و سناں اول
ب۔ کہ طاؤس و رباب کی حیثیت آخر ہے۔ جہاد مسلمان پر فرض ہے اب
بتاؤ اس بلند مقصد کو تمہاری محبت پر کیسے قربان کر دوں؟

یہ میں نے کب کہا ہے میں اس بلند مقصد کی راہ میں دیوار بننا کب چاہتی
ں۔ میں تو صرف ایک وعدہ چاہتی ہوں جب وطن کی مانگ کو سنوار لو تو یہ یاد
ھنا ایک اجڑی ہوئی مانگ تمہاری منتظر ہے۔ کوئی تمہاری راہ میں آنسوؤں
کے چراغ جلائے تمہارا انتظار کر رہا ہے۔

ارجمند رونے لگی تو مراد نے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

ارجمند تم مجھ سے اپنی محبت کا اقرار چاہتی ہو تو سن لو خدا کی قسم میری زندگی میں
نے والی تم پہلی اور آخری عورت ہو۔ میں تم سے محبت کرتا ہوں اور زندگی کی
خری سانس تک کرتا رہوں گا۔

ارجمند کے ہونٹوں پر روتے روتے مسکراہٹ آگئی۔ اُس نے جلدی سے

ہیرے کی انگوٹھی اتار کر دیتے ہوئے کہا۔

اسے ساتھ لے جائیں جب اس پر نظر پڑے گی تو میں آپکو یاد آجایا کروں گی
مراد نے انگوٹھی لینے کی بجائے اپنے رومال میں ارجمند کے آنسوؤں کو
محفوظ کرتے ہوئے کہا۔

ارجمند انگوٹھی کے اس ہیرے سے محبت کے یہ انمول ہیرے زیادہ قیمتی
ہیں انہیں ساتھ لے جا رہا ہوں۔ خدا کے لیے اب واپس گھر چلی جاؤ نواب
کو علم ہوگیا تو اُن کی نظر سے میں گر جاؤں گا۔ وقت تیزی سے بیت رہا ہے
مجھے الوداع کہو میں نے ابھی ماں سے بھی ملنے جانا ہے۔

ارجمند نے بڑی مشکل سے اپنے اوپر قابو پاتے ہوئے کہا۔

جاؤ مراد خدا حافظ۔

ارجمند اُس وقت تک مراد کو دیکھتی رہی جب تک وہ اندھیرے میں
اُس کے جاتے ہی ضبط کا بند ٹوٹ گیا اور وہ رونے لگی۔ احمد اللہ شاہ نے
سر پر شفقت سے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

رو نہ بیٹی دعا کرو کہ انجام باخیر ہو۔ باہر دو محافظ کھڑے ہیں وہ تمہیں
پہنچا دیں گے۔

ارجمند نے شاہ صاحب کے چہرے پر نگاہ ڈال کر کچھ کہنا چاہا تو شاہ صاحب
سمجھتے ہو کہا۔

مجھے کہنے کی ضرورت نہیں بیٹی اس محبت کا راز میرے دل میں اُس
گا جب خُدا کے فضل سے یہ محبت حجلہ عروسی تک نہیں پہنچ جاتی اب جاؤ
فی امان اللہ۔

جدائی کی رات

بی بی صاحبہ مراد کو گلے لگا کر چیخ چیخ کر رونے لگیں۔ ان خشک ندیوں میں خدا
نے کہاں سے اشکوں کا سیلاب آگیا تھا۔ آنسو تھے کہ تھمتے نہیں تھے۔ سلمیٰ الگ
بلبلاں لے کر رو رہی تھی۔ آخر مراد نے ہی اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

اس طرح تو نہ رو اماں کہ میرا حوصلہ اور استقلال تمہارے آنسوؤں میں بہہ جائے
حوصلہ تو تم نے ہی مجھے بخشا ہے اب چاہتی ہو کہ میرے پائے صبر و تحمل میں لرزش
جائے۔

نہیں میرے چاند میں نے خود تجھے خدا کے نام پر کفن باندھ میدان میں کودنے
کی اجازت دی ہے۔ میں نے ملتِ اسلامیہ کو روشن کرنے کے لیے اپنے گھر میں
اندھیرا کر لیا ہے اور گھر کے چراغ کو گمراہوں کے اندھیرے دور کرنے کے لیے قوم و
ملک کی نذر کر دیا ہے۔ بیٹے دکھوں کا بوجھ اتنا زیادہ نہیں جتنا جوان بیٹی کا ہے۔ خود
اندھی ہوں آنکھوں والوں سے بہت ڈر لگتا ہے۔ سلمیٰ کی ڈولی گھر سے اُٹھ جاتی تو یہ
بوجھ ہلکا ہو جاتا۔

تم ٹھیک کہتی ہو اماں آنکھوں والے ہی ہمیشہ ٹھوکر کھاتے ہیں۔ سلمیٰ کے متعلق
میں نے قبلہ شاہ صاحب سے بات کر رکھی ہے۔ اماں فاروق اچھا لڑکا ہے ساتھ
کھیلا بڑھا ہوا ہے ہر طرح سے دیکھا بھالا ہے میرا انتظار نہ کرنا ماں جتنی جلد ہو

سکے سلمیٰ کی ڈولی اُٹھا دیتا ایک بھائی اگر نہ موجود ہوا تو کیا۔ کفن پوش تحریک کا ہر نوجوان سلمیٰ کا بھائی اور تمہارا بیٹا ہے پھر قبلہ شاہ صاحب کے ہوتے ہوئے آپ کو گھبرانے کی کیا ضرورت ہے۔

اگر تیرا فیصلہ فاروق کے حق میں ہے تو پھر اُسے کہہ دے اصولی طور پر پیغام بیٹے والوں کے گھر سے آنا چاہیئے۔ ماں نے کہا۔

مراد نے جواب دیا۔

انشاءاللہ ایسا ہی ہوگا اماں فاروق باہر موجود ہے میں ہر بات اُس سے طے کر کے جاؤں گا۔ اچھا اب مجھے اجازت دو ماں رات کا پچھلا پہر شروع ہو چکا دن نکلتے ہی جب مرہٹوں کی لاشیں پڑی ملیں گی تو میری تلاش شروع ہو جائے گی مجھے سور نکلنے سے پہلے پہلے اس علاقے سے دُور چلا جانا چاہیئے۔

"کہاں جائے گا؟" اماں نے دکھی انداز میں سوال کیا۔ تو مراد نے جواب دیا۔

شاہ صاحب کا خط لے کر روہیلا سردار نجیب الدولہ کے پاس جا رہا ہوں۔

ماں نے ماتھا چوم کر بیٹے کو رخصت کیا تو بہن جو شادی کی بات سُن کر دروا کی آڑ میں چلی گئی تھی بلبلاتی ہوئی آکر بھائی سے لپٹ گئی۔ مراد نے سر پہ ہاتھ ر تسلی دیتے ہوئے کہا۔

سلمیٰ وقت بہت کم ہے میں نے تیری شادی کی بات اماں سے کر دی۔

فاروق اچھا لڑکا ہے نا؟

سلمیٰ بھائی سے لپٹ کر رونے لگی تو مراد بھی جذباتی ہو گیا اور اُس نے کہا۔

بھائی کے کندھے سے لگ کر آج ہی رو لے بہنا کل جب تیرا ڈولا اُ تیرا بھائی یہاں موجود نہ ہوگا۔ ایک بات کا دھیان رکھنا میری بہن اس کے باو ہماری ماں اندھی ہے اور اُس کی دیکھ بھال کرنے والا بھی کوئی نہیں جو بیٹیا میں میکے والوں کا خیال لے کر جاتی ہیں اچھی بیویاں ثابت نہیں ہوتیں شادی کے بعد سسرال کے گھر کو اپنا اور بابل کے گھر کو پرایا سمجھنا۔ فاروق کی اجازت کے بغیر گھر سے قدم نہ نکالنا خواہ اماں بی کی حالت کیسی بھی ہو۔

بہن بھائی دونوں ہی رونے لگے لیکن پھر جلدی ہی فاروق کی آواز نے اُسے چونکا دیا جو کہہ رہا تھا۔

مراد وقت تیزی سے گزر رہا ہے اور ابھی تم نے مجھ سے بھی ملاقات کرنی ہے۔

جذبات میں مراد کو وقت کا احساس ہی نہ رہا تھا لہٰذا وہ سلمیٰ کو پیار کر کے باہر نکل گیا۔ باہر آکر اُس نے فاروق کو سارے حالات سے آگاہ کیا اور تاکید کر دی کے اب شادی میں تاخیر نہ کرنا۔ پھر اس سے پہلے کہ فاروق بھی جذباتی ہو کفن پوش تحریک کے نوجوان ساتھی افتخار نے مراد کو کہا۔

مراد بھائی فجر ہونے کو ہے اور اس علاقے کو پار کرتے کرتے سورج نکل آئے گا اب ذرا بھی تاخیر تمہاری زندگی کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتی ہے۔

مراد نے فاروق کو گلے لگایا اور "خدا حافظ" کہتا ہوا گھوڑے پر سوار ہو کر آندھی اور طوفان کی طرح یہاں سے روانہ ہو گیا۔

نفرت کی خلیج !

صفدر جنگ مراد کے فرار پر سیخ پا بیٹھا تھا۔ دیوان خاص میں اُس کے دائیں بائیں ایرانی جماعت کے امیر موجود تھے کہ ایک محافظ نے آکر اطلاع دی حاکم پنجاب معین الملک باریابی کی اجازت چاہتے ہیں۔

صفدر جنگ نے ناگواری سے ساتھیوں کی طرف دیکھا کیونکہ معین الملک کا تعلق تورانی جماعت سے تھا اور پھر بادلِ نخواستہ آنے کی اجازت دے دی۔

معین الملک نے داخل ہوتے ہی تعظیم بجا لاتے ہوئے کہا۔

خانہ زاد وزیر سلطنت کی خدمت میں آداب بجا لاتا ہے۔

صفدر جنگ نے جواب دینے کی بجائے طنزیہ سوال کیا۔

کیا صوبہ دار پنجاب کو پھر احمد شاہ ابدالی کے حملہ کا خطرہ پیدا ہوا ہے جو امداد کے لیئے خود دربار میں حاضر ہوئے ہیں۔؟

معین الملک نہایت شائستہ اور بہادر سپاہی تھا اور سلطنتِ مغلیہ کا وفادار تھا اُس نے بڑے تحمل سے جواب دیا۔

وزیر سلطنت دانشمند ہیں اور حالات سے باخبر ہیں مالیہ کی رقم واجب الادا ہے۔ شاہ ابدالی کا ایک افغان افسر اس کی وصولی کے لئے آیا ہوا ہے لیکن میرے خزانہ میں اتنی رقم موجود نہیں۔

صفدر جنگ نے دوبارہ طنز کی اور سوال کیا۔

کیا صوبہ دار پنجاب مجھے یہ بتانے کی زحمت گوارا کریں گے کہ خزانے کی رقم کہاں چلی گئی۔

اب معین الملک کی برداشت بھی جواب دے گئی اور اُس نے اُسی انداز میں جواب دیا۔

کیا وزیر سلطنت اس بات سے آگاہ نہیں کہ اُس کی مرہٹہ نوازی کی وجہ سے مرہٹوں کی ہمت اتنی بڑھ گئی ہے کہ انہوں نے لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا ہے پنجاب کے بیشتر علاقے کو لوٹ کر انہوں نے خزانہ خالی کر دیا ہے۔ میں نے دوبار احمد شاہ ابدالی کی افواج کا تنہا مقابلہ کیا مرکز سے امداد طلب کرنے پر بھی نہ مل سکی اب تیسری بار جنگ کا خطرہ پھر منڈلا رہا ہے کیا میں پوچھنے کی جرأت کر سکتا ہوں کیا پنجاب کا علاقہ سلطنت مغلیہ کا ایک حصہ نہیں ہے۔

صفدر جنگ نے رعونت سے جواب دیا۔

کیوں نہیں ہے۔

معین الملک نے سوال کیا۔

پھر آخر وہ کونسی ایسی مجبوری ہے جس کے تحت مرکز نے دوبار میری امداد کی درخواست کو ٹھکرا دیا۔

صفدر جنگ نے ناگواری سے جواب دیا۔

حکومت کی مصلحتوں کو ہم تم سے زیادہ سمجھتے ہیں اور ہم تمہارے اس انداز اور طرزِ گفتگو کو بغاوت اور بے ادبی پر محمول کر رہے ہیں اپنے انداز تخاطب کو درست کرو اور مطلب کی بات کرو۔

معین الملک نے جواب دیا۔

پہلے ہی عرض کر چکا ہوں مرہٹوں کی لوٹ مار کی وجہ سے مالیہ کی رقم ادا نہیں کر سکتا اس لئے مرکز یہ مالیہ ادا کرے۔

صفدر جنگ نے تلخی سے کہا۔

اگر تم اپنے علاقے میں نظم و ضبط برقرار نہیں رہ سکتے انتظامات پر گرفت نہیں ہے تو مستعفی کیوں نہیں ہو جاتے۔ اپنے صوبے میں امن و امان برقرار رکھنا تمہارا کام ہے مرکز کا نہیں۔

بالکل درست فرمایا آپ نے کیا وزیر محترم اس سلسلے میں مجھے مرہٹوں سے جنگ چھیڑنے کی اجازت مرحمت فرما سکتے ہیں۔؟

معین الملک نے سوال کیا تو صفدر جنگ نے جواب دیا۔

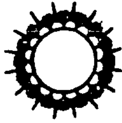
ہرگز نہیں ہندوستان میں مرہٹے وہ طاقت ہے جس سے ٹکرا کر ہم پاش پاش ہونے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ ہم دہلی کا تاج و تخت تمہارے لئے داؤ پر نہیں لگا سکتے۔

بالکل درست فرمایا آپ نے اب یا تو مالیہ کی رقم ادا کر دیجئے یا پھر احمد شاہ ابدالی سے مقابلہ کرنے کے لئے فوجی امداد میرے ہمراہ روانہ کر دیجئے...... ورنہ کیا صفدر جنگ نے تحکمانہ انداز میں پوچھا۔ تو معین الملک نے جواب دیا۔

ورنہ پھر مجھے سلطانِ معظم سے خود گفتگو کرنے کا موقعہ دے دیجئے۔

ابھی ہم اپنے آپ کو اتنے بے بس نہیں سمجھتے کہ ہر ایرے غیرے کو سلطانِ معظم کے پاس معاملہ طے کرنے بھیج دیں۔ تمہارے پاس دو ہی عزت مندانہ راستے ہیں۔ یا تو جا کر مالیہ ادا کر دو یا پھر مستعفی ہو کر کسی مستحق آدمی کے لیے صوبیداری چھوڑ دو۔ اپ چاہو تو جا سکتے ہو مرکز تمہاری کوئی امداد نہیں کر سکتا۔

معین الملک بڑی مایوسی سے واپس لوٹ گیا۔ وہ جانتا تھا ایرانی امرا کا یہ گروپ کسی بھی تورانی کو اپنے منصب پر بحال دیکھنا نہیں چاہتے واپس آ کر اس نے احمد شاہ ابدالی کے ایلچی کو پنجاب کے چار اضلاع کا مالیہ ادا کرنے میں پس و پیش سے کام لیا اور مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی طاقت اور لوٹ مار کا رونا رو کر اسے خالی ہاتھ لوٹا دیا۔



احمد شاہ ابدالی کا تیسرا حملہ

معین الملک کی بہانہ بازی سے سیخ پا ہو کر تیسری بار احمد شاہ ابدالی نے ہندوستا
پر حملہ کی تیاریاں شروع کر دیں اور پھر ۱۷۵۲ء میں ایک دفعہ پھر اُس کی فوجیں پنجاب
کی سرزمین میں داخل ہو گئیں۔ صفدر جنگ کی طرف سے پھر کوئی امداد نہ مل سکی ایک با
پھر معین الملک نے اپنی مٹھی بھر فوج کے ساتھ احمد شاہی لشکر کا مقابلہ کیا۔ ایک با
پھر پنجاب کی شیر دل فوج دادِ شجاعت دیتے ہوئے اپنے صوبہ دار کے حکم پر کٹ
مری اور اسقدر دلیری اور عزم کے ساتھ مقابلہ کیا کہ خود احمد شاہ دادِ شجاعت دینے پر مجبو
ہو گیا جنگ میں اُس کا دیرینہ حریف زخمی حالت میں گرفتار ہو کر اُس کے روبرو لایا گیا۔ جو
بہادر اور شجاع سردار معین الملک کو احمد شاہ کے روبرو پیش کیا گیا احمد شاہ اس بہادر کے
سینے پر سجے ہوئے زخم دیکھ کر بہت متاثر ہوا ایک زخم بھی پیٹھ پر موجود نہ تھا۔ گر
ہونے کے باوجود معین الملک زخمی شیر کی طرح احمد شاہ کے سامنے کھڑا تھا۔ خیمہ
میں احمد شاہ کے دائیں بائیں ایرانی اور افغانی سردار موجود تھے ان میں احمد شاہ کا سالا
جہان خاں بھی موجود تھا۔ اِس نے معین الملک کے اِس انداز کو گستاخی میں شمار
کرتے ہوئے اپنی تلوار نکال کر کہا۔

حکم شاہ ہو تو اِس مغرور شخص کو آداب شاہی سکھاتے ہوئے اس کی گردن
تن سے جدا کر دی جائے۔

احمد شاہ نے محبت سے معین الملک کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔

جہان خاں شیر کو قتل کرنے کے بعد بھی اُس کے عادات و اطوار کو نہیں بدل سکتے
یاد رکھو بہادروں کی گردنیں کٹ جاتی ہیں جھکتی نہیں مجھے اس نوجوان کی یہ ادا بہت پسند
ہے جس نے زندگی کے لیے بھیک نہیں مانگی۔ با خدا یہ ایک شاندار افسر ہے ہمیں
ایسے لوگ پسند ہیں۔

پھر احمد شاہ نے بڑے خلوص اور پیار کے ساتھ معین الملک کو پاس بیٹھاتے ہوئے
سوال کیا۔

ہم نے تیسری بار پنجاب پر فوج کشی کی لیکن تینوں بار تم نے تنہا مقابلہ کیا مرکز
سے شاہی فوج تمہاری امداد کے لیے کیوں نہیں آئی۔ معین الملک نے آہ بھر کر
جواب دیا۔

سلطنتِ مغلیہ کی سب سے بڑی بدقسمتی یہی ہے سرداروں نے ملتِ اسلامیہ
کا اتحاد پارہ پارہ کر رکھا ہے۔ دربار میں موجود ایرانی امیر تورانیوں کے اور تورانی امیر
ایرانیوں کے دشمن ہیں۔ وہ اپنے ذاتی اقتدار کو قائم رکھنے کے لئے تمام مسلم
صوبہ داروں کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھانے کی بجائے اُن کو ختم کرنے کے لئے مرہٹوں
کی طاقت استعمال کر رہے ہیں۔ جب کہ مرہٹے مسلمانوں کی باہم دشمنی سے پوری
طرح فائدہ اُٹھا کر مرہٹہ امپائر کا خواب دیکھ رہے ہیں وہ سلطنتِ مغلیہ کی عظمت کا
چراغ گل کر کے دہلی کے تاج و تخت پر قبضہ جمانا چاہتے ہیں۔

احمد شاہ نے متانت سے جواب دیا۔

تم نے ٹھیک کہا برادر بلاشبہ مرہٹے اپنی طاقت میں روز بروز اضافہ کر رہے
ہیں اور وہ ان سے دور ہیں جب وہ پورے ہندوستان پر اپنی حکومت قائم کر لیں
گے۔ ہم تمہاری مجبوری کو سمجھتے ہوئے تمہیں معاف کرتے ہیں اور اس بار اپنی طرف

سے تمہیں پنجاب کا صوبہ دار مقرر کرتے ہیں۔ نہیں اسکے لیئے پچاس لاکھ روپے سالانہ ہمیں ادا کرتے ہوں گے۔

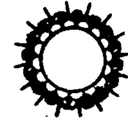
معین الملک نے جواب دیا۔

مجھے منظور ہے سلطان لیکن مرہٹوں کی لوٹ مار سے میں تنگ آچکا ہوں۔

احمد شاہ ابدالی نے جواب دیا۔

اب تم احمد شاہ ابدالی کے صوبہ دار ہو سلطنت مغلیہ کے نہیں باقی رہ گیا مرہٹے تو فکر مت کرو وقت آنے پر ہم ان سے بھی نپٹ لیں گے مرہٹہ طاقت اسقدر بڑھ گئی ہے کہ اُن کا مقابلہ کرنے کے لیے سلطنتِ مغلیہ کے علاوہ بھی تمام ہندوستان کے مسلم فرما رواؤں کو ایک ہونا ہوگا۔ ورنہ وہ ایک ایک کر کے تمام مسلمان فرمانرواؤں کو ختم کر دیں گے۔

اس بار بھی احمد شاہ ابدالی معین الملک کو پنجاب کا صوبے دار مقرر کر کے یہیں سے واپس لوٹ گیا۔



خون کی ہولی

آج ہندوستان میں ہولی کا تہوار تھا۔ اس تہوار کے موقعے پر ہندو قوم مختلف قسم کے رنگوں کی پچکاریاں بھر کر ایک دوسرے پر رنگ ڈالتے ہیں۔ مرہٹہ سردار دتا جی سندھیا اپنی فوج کے ساتھ دہلی سے پندرہ بیس میل دور ہولی کا تہوار منانے کی تیاری کر رہا تھا۔ یہ وہ مرہٹہ فوج تھی جو صفدر جنگ وزیر اعظم نے اپنی امداد کیلئے بلا رکھی تھی۔ دتا جی سندھیا نے سرخ رنگ کی پچکاری بھر کر اپنے قریب موجود ایک محافظ سپاہی پر ڈالتے ہوئے قہقہہ لگا کر کہا۔

رنگو یہ سرخ رنگ مجھے بے حد پسند ہے۔ جانتے ہو کیوں یہ خون کا رنگ ہے اور خون بہا کر جو مجھے خوشی حاصل ہوتی ہے میں بیان نہیں کر سکتا۔ ابھی اُس نے بات ختم ہی کی تھی کہ خون میں نہایا ہوا ایک سپاہی آکر اُس کے قدموں میں گرا۔ دتا جی سندھیا ایک دم غصے سے اُٹھ کر کھڑا ہو گیا اور زخمی سے سوال کیا۔

رگپت راؤ کون بدنصیب ہے وہ جسے اپنی زندگی سے نفرت ہو گئی ہے۔ کس نے تم پر وار کیا ہے اگر تم اُسے زندہ چھوڑ آئے ہو تو پھر تمہیں زندہ نہیں رہنا چاہیئے۔

رگپت نے کانپتے ہوئے ہاتھ جوڑ کر جواب دیا۔

مہاراج ہم رات کے اندھیرے میں اچانک ہوا یہ دہلی کے وہی سر پھرے نوجوان تھے جنہوں نے کفن پوش تحریک بنا رکھی ہے اور وہ اپنے ماتحت مرہٹوں کو بھی تنگ کرتے

گئے ہیں۔

دتا جی نے قہر میں آکر اپنی تلوار کے ایک ہی وار سے رگپت کا سرتن سے جدا کرتے ہوئے کہا۔

مجھے موت کے خوف سے کانپتے ہوئے نہیں ایسے بہادر پسند ہیں جو موت کے مونہہ میں سر دے دیتے ہیں۔ رنگوں جاؤ ہماری فوج کے نوجوانوں سے کہو ہم آج ہی اور اسی وقت ہولی کا تہوار دہلی کے گلی کوچوں میں منائیں گے۔ یہ خو کی ہولی دہلی والوں کو برسوں یاد رہے گی۔ دہلی کے شہر میں جگہ جگہ لوگ اکٹھے ہو کر اس آنے والے طوفان سے بے خبر چہ میگوئیاں میں مصروف تھے موضوع مراد کا فرار اور کفن پوش نوجوانوں کے ہاتھوں مرہٹوں کا قتل عام بنا ہوا تھا۔ ہندو محلوں م لوگ ایک دوسرے پر گلال اور رنگ پھینک کر اس تہوار کی ابتدا کر چکے تھے۔

دتا جی سندھیا آندھی اور طوفان کی طرح شہر دہلی میں داخل ہوا۔ اس کے ہم فوج کے سپاہی چمکتی تلواریں اور بھالے اٹھائے ساتھ تھے۔ انہوں نے آتے ہی قتل عام کا بازار گرم کر دیا۔ مرہٹہ سپاہی واقعی دہلی کے مسلمان عوام کے خون ہولی منا رہے تھے۔ جب تک دربار میں صفدر جنگ تک اطلاع پہنچی مرہٹے مسلمانوں کو قتل کر چکے تھے اور اب احمد اللہ شاہ کی خانقاہ کی طرف بڑھ رہے تھے کفن پوش جماعت کا صدر مقام تھا۔ خانقاہ میں پہلے ہی خون کی اس ہولی کی خ پہنچ چکی تھی اور تحریک کے نوجوان مکمل طور پر تیاری کے ساتھ موجود تھے جونہی مرہٹو خانقاہ کا محاصرہ کیا یہ نوجوان ان پر حملہ آور ہوئے اور پھر گھمسان کی جنگ۔ شروع

خانقاہ پر مرہٹی حملے کی خبر ملتے ہی نواب فخر الدولہ نے اپنی پانچ ہزار فوج سے ایک ہزار تجربہ کار سپاہیوں کو شہری لباس میں شاہ صاحب کی حفاظت اور مسلما کی امداد کے لیے روانہ کر دیا۔

خانقاہ کے چاروں طرف زبردست لڑائی جاری تھی۔ کفن پوش تحریک کے نوجوان اپنی جان دے کر بھی احمد اللہ شاہ کی حفاظت کر رہے تھے۔ جنگ کا یہ نقشہ دیکھ کر خود شاہ صاحب کا جذبہ حریت بیدار ہو گیا اور انہوں نے اپنے محافظ نوجوانوں کے منع کرنے کے باوجود تلوار اُٹھائی اور جنگ میں شریک ہو گئے۔ پھر اس سے قبل کے تجربہ کار اور عمدہ ہتھیاروں سے لیس مرہٹہ فوج اس تحریک کے نوجوانوں کو کاٹ کر پھینک دے نواب صاحب کے بھیجے ہوئے ایک ہزار سپاہی مسلمانوں کی امداد کو پہنچ گئے اور انہوں نے مرہٹہ سپاہیوں کو گاجر مولی کی طرح کاٹنا شروع کر دیا۔ اب جنگ میں مرہٹوں کی بجائے مسلمانوں کو برتری حاصل ہو گئی۔ مرہٹہ سردار دتا جی جو مسلمانوں کے خون سے ہولی کھیلنے آیا تھا اپنے سپاہیوں کو سرخ خون میں ڈوبا دیکھ کر باقی بچے ساتھیوں کو لے کر دم دبا کر بھاگ نکلا۔

مرہٹوں کے اس حملے کے خلاف ایک جلوس احتجاج کے طور پر احمد اللہ شاہ کی قیادت میں بادشاہ کے محل کی طرف روانہ ہوا۔ جب کہ دوسری طرف سے وزیر سلطنت صفدر جنگ ایک شاہی دستے کے ساتھ اسی سمت آ رہا تھا۔

جونہی صفدر جنگ اس جلوس کے قریب پہنچا عوام میں غم اور غصے کی لہر دوڑ گئی اور انہوں نے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔

وزیر سلطنت ۔ مردہ باد

مرہٹہ دوستی ۔ مردہ باد

دوستی کو توڑ دو ۔ کرسی کو چھوڑ دو۔

صفدر جنگ نے غصے کے ساتھ شاہی سالار کے دستے کو حکم دیا۔

یہ بغاوت ہے اسے سختی سے کچل دو۔

لیکن دستے کے سپاہی و سالار جلوس کی قیادت کرتے ہوئے احمد اللہ شاہ صاحب

کو دیکھ چکے تھے۔ ان میں بیشتر شاہ صاحب کے مرید تھے بقایا بھی اُن کو عالم دین او
قابلِ تعظیم بزرگ مانتے تھے لہٰذا سپاہیوں نے اس حکم کو ماننے سے انکار کر دیا۔ اِ
بات سے عوام کا حوصلہ بڑھ گیا اور انہوں نے صفدر جنگ پر حملہ کر دیا۔ بدلی ہوئی صو
حال کے تحت صفدر جنگ جان بچا کر بھاگ نکلا۔ جلوس نے شاہی محل کا محاصرہ کر لیا
صفدر جنگ چند ایرانی سرداروں کی معیت میں دہلی سے بھاگ نکلا۔ اس موقع
پوری طرح فائدہ اُٹھاتے ہوئے تورانی جماعت کے سردار عماد الملک نے عوام
سامنے آکر تقریر کرتے ہوئے کہا۔

بھائیو جوش و خروش کی بجائے ہوش سے کام لو۔ مرہٹوں نے جس
کا مظاہرہ کیا تھا آپ لوگ اُنہیں سزا دے چکے ہیں۔ یہ ملک آپ کا ہے
سلطنت مسلمانوں کی ہے۔ نعرے بازی اور توڑ پھوڑ نہ کی جائے آپ لوگ ا
قائد احمد اللہ شاہ صاحب سے مجھے بات کرنے کا موقع دیں میں عوام کا خا
کی حیثیت سے آپ کے مطالبات بادشاہ سلامت تک پہنچا دوں گا۔ آپ
ہیں وہی ہوگا۔ اصل مجرم وزیرِ سلطنت صفدر جنگ تھا جس نے مرہٹوں کو آ
لوگوں پر نازل کر رکھا تھا وہ فرار ہو گیا ہے۔

شاہ صاحب نے آگے بڑھ کر عماد الملک سے کہا۔

ہمارے مطالبات حسبِ ذیل ہیں۔

مرہٹہ دوستی ختم کر کے سلطنت مغلیہ کے مسلم صوبے داروں سے الحاق کیا
اور مرہٹوں سے اس خونِ ناحق کا حساب لیا جائے۔ وزیرِ سلطنت صفدر جنگ
معزولی کا حکم نامہ جاری کیا جائے۔

شاہی محل کو بھانڈوں اور ناچنے والیوں سے خالی کروایا جائے اور اِ
کے بجائے بندوں سے عہدے لے کر محبِ وطن اور اہل عہدے دارو
کئے جائیں۔

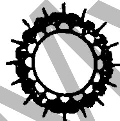
درباری سیاست اور سازشوں کا قلع قمع کیا جائے اور ایک مضبوط اسلامی حکومت قائم
کی جائے جو دوسروں کی مدد کی محتاج نہ ہو۔

عماد الملک نے جواب دیا۔

قبلہ شاہ صاحب کے تمام مطالبات نہایت دانشمندانہ دُور رس اور مناسب ہیں
میں آپ لوگوں کو یقین دلاتا ہوں ان قیمتی مشوروں پر عمل کروانے کی کوشش کروں گا کیونکہ
میں حاکم نہیں محکوم ہوں۔ فیصلہ تو سلطانِ معظم ہی کر سکتے ہیں۔ اب آپ لوگوں سے
درخواست ہے پرامن طریقے سے واپس لوٹ جائیں۔

عوام نے جوش میں آکر۔ عماد الملک زندہ باد کے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔

عوام واپس جا چکے تھے۔ عماد الملک اپنے حریف ایرانی سردار صفدر جنگ کے فرار سے
سرور ہو گیا تھا وہ کانٹا جو اس کی آنکھوں میں عرصے سے کھٹک رہا تھا خود بخود عوام نے
نکال دیا تھا۔ اس کے علاوہ بھی اُسے رعایا اور عوام کے نمائندے کی حیثیت حاصل ہو
گئی تھی۔ لہٰذا اُس نے پرانی بساط سیاست لپیٹ کر الگ کر دی تھی اور نئی بچھا کر اس پر تمام
مہرے اپنی مرضی کے فٹ کر دیئے تھے۔ سب بڑے بڑے عہدے ایرانیوں کی بجائے
اب تورانیوں کے ہاتھ آ گئے تھے۔



کسی کا کوچ کسی کا مقام ہوتا ہے

صفدر جنگ اپنی جاگیر اودھ میں جا چکا تھا اور اب تمام اختیارات عمادالملک کے ہاتھ آ چکے تھے۔ اس نے وزارت کا قلمدان سنبھالتے ہوئے ہی امرائے سلطنتِ مغلیہ کا اجلاس طلب کیا اور اس میں عوام اور رعایا کے مطالبات پیش کرتے ہوئے سب سے پہلے تاش کے اس بادشاہ احمد شاہ کو معزول کر کے اسے اندھا کر کے سلیم گڑھ کے قلعے میں قید کر دیا۔ شاہی محل کو بھانڈوں اور ناچنے والیوں سے پاک کیا اور احمد شاہ کی جگہ جہاندار شاہ کے ایک بیٹے کو عالمگیر ثانی کا لقب دے کر تخت نشین کر دیا۔ عالمگیر ثانی نیک طبع اور محب وطن انسان تھا اور اس کی دلی خواہش تھی کہ اپنے آباؤ اجداد کی طرح سلطنتِ مغلیہ کی حکومت کو مضبوط اور مستحکم بنایا جائے وہ مسلم اتحاد کا بھی زبردست داعی تھا۔ اس نے تخت پر بیٹھتے ہی یہ محسوس کر لیا کہ یہ تاج و تخت اس کے لیے کانٹوں کی سیج سے زیادہ کچھ نہیں اس لیے کہ حکومت کے تمام اہم عہدوں پر عمادالملک کے ساتھی فائز تھے اصل حکومت عمادالملک کی تھی اس کی حیثیت شطرنج کے بادشاہ کی سی تھی۔ وہ اپنی مرضی سے کچھ بھی نہ کر سکتا تھا لیکن اس نے ہمت ہارنے کی بجائے وقت کا انتظار کرنا شروع کر دیا۔

دوسری طرف حکومت قائم کرنے کے بعد اب عمادالملک نے ہندوستان کی سیاست پر جب نگاہ کی تو اسے محسوس ہوا مرہٹوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کے پیشِ نظر وہ ان کی مخالفت کی بجائے اگر ان کی طرف دوستی کا ہاتھ نہ بڑھائے گا تو اس کا اقتدار قائم نہ رہ سکے گا۔ صفدر جنگ کی طرح اس نے بھی مسلمان صوبے داروں کی بجائے فیصلہ کیا کہ وہ مرہٹی اقتدار کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھائے گا۔ تورانی جماعت کا فرد ہوتے کے باوجود پنجاب کے صوبیدار معین الملک کی وفاداری بھی اسے مشکوک نظر آنے لگی جس نے مغلیہ سلطنت کا نمک خوار ہوتے ہوئے احمد شاہ ابدالی سے ناطہ جوڑ لیا تھا۔ اسے خود مختار صوبے داروں اودھ، دکن اور روہیل کھنڈ سے بھی خطرہ تھا۔ اس لیے وہ انہیں بھی دشمنوں کی فہرست میں شامل کر چکا تھا۔ اندرونِ سلطنت اس نے احمد اللہ شاہ اور کفن پوش تحریک کو بھی ختم کرنے کی ٹھان لی تھی۔ اسے نواب فخرالدولہ کی وفاداری بھی مشکوک لگی تھی اور اس نے اسے بھی منصب پنج ہزار سے محروم کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اب اس نے عملی طور پر قدم اٹھاتے ہوئے سب سے پہلے اپنا ایک وفادار آدمی پیشوا پونا کے پاس روانہ کیا اور اسے ہدایت کی کہ وہ پوری طرح مرہٹوں کے اس پیشوا کو دہلی کی اس نئی حکومت کی دوستی کا یقین دلائے۔

اس کے بعد اس نے مغلیہ سلطنت کے وزیر اعظم کی حیثیت سے ایک فرمان روہیل کھنڈ کے حاکم نجیب الدولہ کے پاس روانہ کیا جس میں سلطنت کے باغی مراد کی واپسی کا مطالبہ کیا گیا تھا جسے نجیب الدولہ نے نہ صرف پناہ دی تھی بلکہ شاہ صاحب کا خط دیکھ کر اسے اپنا سیاسی مشیر بنا لیا تھا۔

اس کے علاوہ اس نے ایک شاہی فرمان معین الملک صوبے دار پنجاب کے پاس بھی ارسال کر دیا۔ جس میں پنجاب کے علاقے کو سلطنتِ مغلیہ کا ایک حصہ بناتے ہوئے مطالبہ کیا گیا تھا کہ منصب صوبے داری ادینہ بیگ کے سپرد کر

کے وہ دربار میں حاضر ہوکر اس نمک حرامی پر جواب دے کہ اُس نے اس علاقے کو کس کے حکم پر احمد شاہ ابدالی کے سپرد کر دیا ہے۔

ان تمام باتوں کا جب عالمگیر ثانی کو علم ہوا تو اُس نے فوری طور پر عمادالملک کو اپنے کمرہ خاص میں طلب کیا اور اس سیاسی تبدیلی پر اختلاف کرتے ہوئے کہا۔

عمادالملک ہم سمجھتے تھے کہ تم اپنی عقل اور دانش سے مغلیہ سلطنت کی عظمت کے گرتے ہوئے میناروں کو سہارا دو گے لیکن تم نے بھی وہی راستہ اختیار کر لیا ہے جو سلطنت کے اتحاد کو مستحکم کرنے کی بجائے اسے مزید انتشار کا شکار بنا رہا ہے۔ وقت کی پکار اور تقاضہ یہ ہے کہ مسلم اتحاد کو مضبوط کیا جائے ملتِ اسلامیہ کی قو
میں اضافہ کیا جائے اس کے منتشر اتحاد کو ایک مرکز پر اکٹھا کیا جائے لیکن ہم د
رہے ہیں تمہاری سیاست اس کے بالکل برعکس ہے۔

عمادالملک نے برہمی سے جواب دیا۔

بہتر ہے آپ خاموشی سے دیکھتے رہیں۔ معلوم ہوتا ہے تاج شاہی کا بو
آپ کی برداشت سے باہر ہوگیا ہے۔ یہ مت بھولئے کہ میں نے آپ کو باد
بنایا ہے آپ نے مجھے وزیر نہیں۔ سیاست پر طبع آزمائی کرنے کی بجائے اپنا
عیش و عشرت میں لگائیں۔ مسلم اتحاد کے غم میں دبلا ہونے کی بجائے راگ رنگ کی محفلیں آراستہ کریں حکومت کے فرائض کو اس خاکسار پر ہی چھوڑ
تو بہتر ہے۔

بادشاہ نے بے دلی سے کہا۔

اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم خود مختار نہیں ایک کھلونے کی حیثیت رکھتے جو وزیر سلطنت کے ہاتھوں میں ہے اور جسے وہ جہاں چاہیں اپنی مرضی۔ رکھ دیں۔؟

عمادالملک نے طنزیہ جواب دیا۔

بادشاہ سلامت عقلمند اور سمجھدار ہیں۔

عمادالملک کے چلے جانے کے بعد بادشاہ نے بڑے دُکھ کے ساتھ خود سے کہا۔

اُف خدایا یہ تاج و تخت تو میرے لئے کانٹوں کی سیج ہے۔ لیکن اگر میں اس سے دست بردار ہوگیا تو عمادالملک کسی اور کھلونے کو تخت پر لا بیٹھائے گا بہتر ہے اس کی سیاست کا جواب سیاست سے دیا جائے۔

دربارِ مغلیہ میں تمام مراسلوں کا جواب آچکا تھا۔ مرہٹوں کے پیشوا بالاجی باجی راؤ نے اس دوستی کو قبول کرتے ہوئے اپنے تعاون کا یقین دلایا تھا اور کہا تھا مرہٹہ فوج ہر وقت مغل تاج و تخت کی حفاظت کے لیے موجود ہے اور رہے گی۔

اس مراسلے کے بعد بادشاہ کے حضور دوسرا مراسلہ نجیب الدولہ روہیلہ سردار کا پیش کیا گیا۔ جس نے اس بات پر اظہارِ افسوس کیا تھا کہ ایک مخلص وفادار اور محبِ وطن کو باغی کے نام سے منسوب کرتے ہوئے اُسے مجرموں کی طرح طلب کیا گیا ہے۔

نجیب الدولہ نے مزید لکھا تھا کہ سلطنتِ مغلیہ خواہ ہمیں وفادار نہ سمجھے لیکن ہم اپنے آپ کو وفادار خیال کرتے ہوئے سلطانِ معظم کے حضور موجودہ پالیسی پر نظرِ ثانی کرنے کی درخواست کرتے ہیں جو ملت کے اتحاد کو پارہ پارہ کئے ہوئے ہے۔ اس کے بعد اُس نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا تھا۔ وہ کسی بھی قیمت پر ملتِ اسلامیہ کے اس جانثار سپاہی کو مقتل کے حوالے کرنے کو تیار نہیں ہے۔

اس صداقت کے باوجود عمادالملک نے عالمگیر ثانی کی طرف دیکھ کر نہایت ادب سے عرض کی۔

حضور سلطانِ معظم نے مغلیہ سلطنت کے اس وفادار اور عالمِ اسلام کے اتحاد کے خواہاں کا جواب ملاحظہ فرمایا۔ کیا اس سے بغاوت کی بُو نہیں آ رہی۔

بادشاہ نے دل ہی دل میں اس پر لعنت بھیجتے ہوئے جواب دیا۔

معین الملک کے جواب سے بھی ہمیں مطلع کیا جائے۔

بادشاہ کے اشارے پر معین الملک صوبے دار پنجاب کا مراسلہ پڑھ کر سنایا گیا۔ جس نے تحریر کیا تھا۔

واجب التعظیم وزیرِ مملکت صاحب۔ آپ کا فرمان پڑھ کر مجھے بڑی حیرت ہوئی ہے سلطنتِ مغلیہ کے اس نمک خوار نے پنجاب کو بچانے کے لیے احمد شاہ ابدالی کے تین حملوں کو اپنے سینے پر روکا۔ ہر بار مرکز سے امداد طلب کی اور ہر بار ناکام ہو کر اپنے جانثاروں کو افغانی تلواروں کا نشانہ بنوانا پڑا۔ آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ احمد شاہ ابدالی نے بھیک میں نہیں بزورِ شمشیر یہ علاقہ فتح کیا ہے۔ جب کہ اس خانہ زاد کو مجبوراً اپنی وفاداری تبدیل کر کے اُس کی ملازمت قبول کرنی پڑی ہے۔ اب میں پنجاب کے مفتوحہ علاقے کا احمد شاہ ابدالی کی طرف سے صوبے دار مقرر کیا گیا ہوں لہٰذا آپ میری معزولی کا حق نہیں رکھتے البتہ آپ اس علاقے کو بزورِ شمشیر ضرور حاصل کر سکتے ہیں۔

عماد الملک نے اس مراسلے کو چھین کر پھاڑ دیا تو بادشاہ نے سوال کیا۔

کیا معین الملک نے دروغ گوئی سے کام لیا ہے۔ جہاں تک ہمیں علم ہے واقعی احمد شاہ ابدالی نے پنجاب پر تین بار فوج کشی کی ہے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ ہر بار امداد طلب کرنے پر کسی بار بھی اُسے امداد نہ دی گئی یہاں تک کہ احمد شاہ نے اس علاقے پر اپنا قبضہ کر لیا۔

عماد الملک نے برہمی سے جواب دیا۔

حقیقت کیا ہے اس سے ہمیں غرض نہیں اگر احمد شاہ ابدالی نے پنجاب زور شمشیر فتح کیا ہے تو ہم اسے بزورِ شمشیر واپس لے لیں گے ہمیں پنجاب پر فوج کشی کی اجازت رحمت فرمائی جائے۔

بادشاہ نے بے زاری سے جواب دیا۔

اگر تم ایک مسلم فرمانروا کی دشمنی مول لینا چاہتے ہو تو پھر جو بہتر سمجھتے ہو کرو۔

اس کے بعد ہی با آواز بلند عماد الملک نے کہا۔

سلطنتِ مغلیہ کے پنج ہزار منصب دار نواب فخر الدولہ کو بادشاہ سلامت کے حضور ں کیا جائے۔

نواب فخر الدولہ بڑے سوگوار انداز میں دربار میں داخل ہوئے انہوں نے لائی دستور کے مطابق بادشاہ کے حضور فرشی اسلام پیش کیے اور نہایت ادب ے عرض کی۔

سلطنتِ مغلیہ کا یہ ادنیٰ خادم حاضر ہے عالیجاہ جس کے جسم میں پشت در پشت ی حکومت کا نمک خون بن کر گردش کر رہا ہے۔

بادشاہ نے بڑی عقیدت اور محبت سے اس وفادار کی طرف دیکھا لیکن عماد الملک نے فوراً اُٹھ کر کہا۔

محترم نواب صاحب پر چند الزامات ایسے ہیں جو حقِ وفاداری کی نفی کرتے ہیں سب سے پہلا الزام یہ ہے کہ آپ نے سلطنتِ مغلیہ کے ایک باغی فرد مراد سفارش کی طرفداری کی اور یہ بھی خیال ہے کہ اُسے فرار ہونے میں مدد بھی ما۔

دوسرا الزام یہ ہے کہ آپ نے حکومتِ مغلیہ کے خلاف پرورش پانے والی ناپوش تحریک کا در پردہ ساتھ دیا۔

تیسرا الزام آپ پر یہ ہے کہ آپ کی فوج کے ایک ہزار نوجوانوں نے اُس وقت

مرہٹوں کا قتلِ عام کیا جب وہ اس باغی تحریک کو ختم کرنے کے لئے حکومت سے
کیلئے دہلی آئے تھے۔

نواب فخرالدولہ نے جواب دیتے ہوئے کہا۔

محترم وزیرِاعظم سب سے پہلے تو مجھے آپ کی اس رائے سے اتفاق نہیں
کہ مراد بیگ بغاوت میں ملوث ہے۔ مجھے اُس کی سفارش کرنے پر انکار نہیں میں
اس لیے اُس کی سفارش کی کہ اُس نے میری غیر موجودگی میں مرہٹہ لٹیروں اور بھیڑ
سے نہ صرف میری بیٹی بلکہ میری حویلی میں مدعو چند اور شریف امراء کی بیٹیوں کی عز
بچائی اور تنہا نو مرہٹے سپاہیوں کا مقابلہ کیا۔

دوسرے الزام کا کہ میں نے ایک باغی تنظیم کفن پوش کا درپردہ ساتھ
محض ایک الزام ہے اس میں رتی بھر بھی حقیقت نہیں۔

البتہ سردار بھی یہ تسلیم کرنے کو تیار ہوں کہ عالم دین اور بزرگ ہونے کی
سے جب قبلہ احمد اللہ شاہ صاحب نے اپنا نورانی دعوت نامہ بھیج کر مجھے طلب
تو میں نیاز حاصل کرنے ضرور گیا لیکن اُن سے یہی عرض کی کہ میری تلوار سلطنت
کی امانت ہے۔ جس میں خیانت کرنا میں گناہ سمجھتا ہوں۔ اس لیے عملی طور پر
اس تحریک میں شرکت نہیں کرسکتا۔

تیسرا الزام کہ میری فوج کے نوجوانوں نے مرہٹوں کا قتل عام
مجھے اس سے انکار نہیں۔ اس لئے کہ مرہٹے یہاں نہ تو حکومت کے طل
پر آئے تھے اور نہ ہی اُن کی آمد کسی نیک مقصد کے لیے تھی وہ مسلما
خون سے ہولی کھیلنے آئے تھے جسے میری غیرت ملی نے برداشت نہ
میں نے اپنی فوج کے جوانوں کو مزاحمت کے لیے روانہ کیا۔

چوتھا الزام کہ اس نے مراد کو فرار ہونے میں مدد دی کفر کی حد تک الزام ہے۔
اگر مراد کو فرار ہی کروانا مقصود ہوتا تو دربار کے چند سپاہیوں کے مطالبے پر میں
اُسے اُن کے حوالے نہ کر دیتا۔ میں خود دربار میں پیش ہو کر صفدر جنگ صاحب کو
حقیقت حال سے مطلع کرتے ہوئے اس کی سفارش نہ کرتا۔ البتہ مجھے افسوس ضرور ہے
کہ میں اُس کے احسان کا بدلہ نہ اتار سکا۔

اس کے بعد فخرالدولہ نے اپنی تلوار کمر سے کھول کر بادشاہ کے قدموں
میں ڈالتے ہوئے کہا۔

حضورِ والا اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں وفاداری کی اس تلوار کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا
اس لیے بھی جب انسان کی وفاداری مشکوک ہو جائے تو اُسے سبکدوش کر دینا
چاہیئے۔ عالیجا میں شہنشاہ بابر سے لے کر حضور سلطانِ معظم کے دورِ حکومت
تک نسل در نسل نمکخوار رہا ہوں میں اس خدمت کا کوئی صلہ نہیں چاہتا صرف یہ
اجازت چاہتا ہوں کہ مجھے دارالسلطنت سے چلے جانے کی اجازت دے
دی جائے۔

بادشاہ نے جواب دیا۔

نواب فخرالدولہ ہم تمہاری خاندانی وفاداری کے مداح ہیں پھر بھی اگر آپ
ہمیں چھوڑ کر جانا چاہتے ہیں تو ہم اجازت دیتے ہیں۔ وزیراعظم نے مداخلت
کرتے ہوئے کہا۔

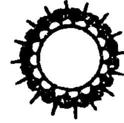
لیکن شہر دہلی کے باہر ہم نواب صاحب کی حفاظت کی ذمہ داری کے
لیے تیار نہیں اس لئے کہ مرہٹے اپنا انتقام لینے کے لیے بیقرار ہیں۔

نواب فخرالدولہ نے جوش میں آکر جواب دیا۔

وزیر سلطنت باخدا آپ نے ہماری تلوار کی کاٹ دیکھی ہی نہیں۔ نہ تو ہماری تلوار کی

دھار کند ہوئی ہے اور نہ ہی اسے زنگ لگا ہوا ہے۔ اگر دربار شاہی میں تلوار کو بے نیام کرنا بے ادبی میں شمار نہ ہوتا تو میں اس کی دھار کا مشاہدہ آپکو ضرور کروا دیتا۔ شکریہ۔ وزیر سلطنت آپ نے اس خطرے سے اس خاکسار کو آگاہ کر دیا میں اپنی ذمہ داری پر دہلی سے روانہ ہوں گا۔

اس کے بعد نواب فخرالدولہ نے فرشی سلام کیا اور بغیر کسی جواب کے دربار سے روانہ ہو گیا۔



پنجاب پر مغل فوج کا حملہ

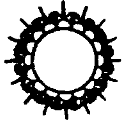
عمادالملک نے بادشاہ عالمگیر ثانی پر اپنی برتری اور کارکردگی کا مظاہرہ کرنے کے لئے ایک کثیر فوجی طاقت کے ساتھ مقبوضہ پنجاب پر حملہ کر دیا۔ معین الملک مغلوں کا نمکخوار رہا تھا لیکن اس کے باوجود اس نے احمد شاہ ابدالی کے اعتماد کو دھوکہ نہ دیا اور پوری ایمانداری کے ساتھ اپنی قلیل فوجی طاقت لیکر مقابلے پر اتر آیا لیکن مغل توپ خانہ اس کی راہ میں حائل ہو گیا اور گولہ باری سے جہاں اس کی فوجی طاقت کو نقصان پہنچا وہاں اس کی پیشقدمی بھی رک گئی۔ وہ یہ جنگ شہر سے باہر نکل کر کرنا چاہتا تھا جب کہ عمادالملک اور اس کے پروردہ ادینہ بیگ کی خواہش تھی کہ اسے آبادی کے علاقے میں ہی گھیر لیا جائے۔ تباہی اور بربادی کے باوجود بھی معین الملک اور اس کے ساتھیوں نے یہ ثابت کر دیا کہ شیر کی کچھار میں آکر اس کا شکار کرنا کس قدر خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ وہ اپنے مخصوص ہراول دستے کو آگ اور دھویں کے سمندر میں لیکر مغل توپچیوں کے سر پر جا پہنچا اور اپنے گھوڑوں کو توپوں کے اوپر سے گزارتے ہوئے عقاب کی طرح مغل سپاہ پر حملہ آور ہوا۔ گھمسان کا رن پڑا۔ مٹھی بھر فوج کے ساتھ وہ انسانوں کے سمندر کو کاٹتا ہوا فوج کے قلب تک جا پہنچا۔ لیکن فوجی سمندر نے بل آخر اسے اپنے اندر سما لیا مٹھی بھر فوج کچھ کٹ گئی اور کچھ زخمی ہو کر اسیر ہو گئی ان میں معین الملک بھی شامل تھا۔

فتح و نصرت کے شادیانے بجاتے ہوئے عمادالملک شہر میں داخل ہوا اور مغل پرچم لہراتے ہوئے اپنے خاص حواری ادینہ بیگ کو حاکمِ پنجاب مقرر کیا۔

جونہی یہ خبر احمد شاہ ابدالی کو ہوئی اُسے عمادالملک پر بڑا غصہ آیا۔ اُس نے تین بار ہندوستان کی سرحد پر قدم رکھا اور ہر بار مغل سلطنت کو اسلامی مملکت تصور کرتے ہوئے صرف پنجاب سے واپس لوٹ گیا۔ پنجاب کے ساتھ اس کا جذباتی لگاؤ یہ تھا کہ اس کے پیشرو سلطان اور مہربان امیر نے اسے بزورِ شمشیر فتح کر کے اپنی سلطنت میں شامل کیا تھا۔ اِس لیے احمد شاہ دور دراز کے علاقے کو افغانستان کی سلطنت کا ایک حصہ تصور کرتا تھا اور اِس سے دستبردار ہونے کو اپنی توہین تصور کرتا تھا۔ جونہی اُسے معین الملک کی شکست اور گرفتاری کا علم ہوا وہ بے چین ہوگیا۔ احمد شاہ نے پہلے حملے میں اِس بہادر سپاہی سے شکست کھائی تھی وہ بہادروں کا قدردان تھا اِس لیے اُس نے دو بار معین الملک کو شکست دینے کے باوجود پنجاب کے حاکم کی حیثیت سے برقرار رکھا اُس نے ہندوستان پر چوتھا حملہ کرنے کی تیاری شروع کر دی۔ اُسے علم تھا کہ ہندوستان میں اِس وقت مرہٹے ناقابلِ تسخیر طاقت بن چکے ہیں اور وہ ظاہری طور پر مغل سلطنت کے حمایتی بنے ہوئے ہیں حالانکہ درپردہ وہ دہلی کے تخت پر قبضہ کرنے کے خواب دیکھ رہے ہیں۔ لہٰذا اُس نے فوجی تیاری کے ساتھ ساتھ مسلم فرمارواؤں کو متحد ہو کر مرہٹوں کے خلاف ایک مسلم بلاک بنانے کی دعوت دی۔ اُس نے حاکمِ بنگال علی ویردی خان۔ حاکمِ اودھ شجاع الدولہ۔ حاکمِ دکن نظام الملک کو مراسلے بھیجے اور اُن کے جواب کا انتظار کرنے لگا۔

دوسری طرف عالمگیر ثانی عمادالملک کے تسلط سے نجات حاصل کرنے کے لئے خفیہ طور پر روہیلہ سردار نجیب الدولہ سے خط و کتابت شروع کر دی لیکن اُسے یہ خبر نہ تھی کہ وہ عمادالملک کے پروردہ اور زرخرید غلاموں کے حصار میں موجود

جونہی عمادالملک پنجاب کو فتح کر کے واپس دلی پہنچا اُس کے حواریوں نے اِس خط و کتابت سے اُسے آگاہ کر دیا۔ عمادالملک کینہ پرور انسان تھا اُس نے سوچا بادشاہ کے پر پرزے نکالنے سے پہلے ہی اسے راستے سے ہٹا دینا چاہیئے۔ حکومت پہ وہ پوری طرح قبضہ کر چکا تھا۔ اس کے علاوہ اُسے مرہٹی امداد پر پورا بھروسہ تھا لہٰذا وہ دن رات بادشاہ کو راستے سے ہٹانے اور اُس کی جگہ ایک دوسرے کھلونے کام بخش کے پوتے کا انتخاب کر چکا تھا جسکی ایک بہن نادر شاہ کے مرحوم بیٹے بہادر شاہ سے بیاہی ہوئی تھی۔



جدائی اور ملاپ

ارجمند ان دنوں بہت اُداس تھی محبت کا روگ اُسے دیمک کی طرح کھائے جا رہا تھا۔ نواب فخرالدولہ نقل مکانی کی ٹھان چکے تھے اور وہ اپنی بیٹی کی شادی کسی صوبیدار یا بڑے حاکم کے ساتھ کرنیکا فیصلہ کر چکے تھے۔ مغل دربار کی آستینوں میں پلنے والے سانپوں نے اُن کی وفاداری کو ڈس لیا تھا اب وُہ اس شہر سے دور چلے جانا چاہتے تھے۔ وہ بیٹی کے جذبات سے بالکل بے خبر تھے۔

ارجمند کو ہلکا ہلکا بخار رہنے لگا تھا اس لئے اُس کی تمام رازدان سہیلیاں اُس کی عیادت کو آئی ہوئی تھیں۔ رعنا نے جو ارجمند کی یہ حالت دیکھی تو کہا ارجمند یہ کیا حالت بنا رکھی ہے۔ یہ بتا کوئی مراد بھائی کی خیریت کا خط وغیرہ بھی آیا یا نہیں۔

ارجمند نے جواب دیا۔

دیوانی ہوئی ہے میں بھلا اُن سے خط و کتابت کرتی ہوں۔ ابا حضور سے اتنا پتہ چلا تھا خیریت سے نجیب الدولہ کے پاس ہیں اور اُن کے مشیر خاص بنے ہوئے ہیں مسلمانوں کے اتحاد کی کوشش میں مصروف ہیں۔ شاہ صاحب کے پاس اکثر خطوط آتے رہتے ہیں۔

رعنا نے کہا۔

دیکھو ارجمند محبت کو چھپاؤ گی تو روگ لگ جائے گا مراد بھائی ٹھہرے خدائی فوجدار انہیں تو قوم و ملک سے فرصت نہیں تم نے ہی اُن کو خط لکھا ہوتا۔

رعنا میں گھٹ گھٹ کر مر جاؤں گی لیکن ایسی کوئی حرکت نہیں کروں گی کے ابا حضور کے اجلے دامن پر داغ لگ جائے اگر تقدیر میں یہ ملاپ ہوگا تو قدرت خود کوئی راستہ پیدا کر دے گی۔

ارجمند نے جواب دیا تو رعنا نے کہا۔

ارجمند صاحبہ قدرت بھی اُن کی ہی مدد کرتی ہے جو اپنی مدد آپ کرتے ہیں۔

لیکن میں کیا کروں؟ ارجمند نے سوال کیا تو رعنا نے سوچکر جواب دیا۔

ایک ترکیب سمجھ میں آتی ہے۔ شاہ صاحب قبلہ تمہاری محبت سے آشنا ہیں اُن کی ہی معرفت تم اپنے دلی جذبات کا اظہار مراد بھائی سے کر سکتی ہو وہ اس وقت اتنے ہر دل عزیز ہیں کہ نواب چچا اس رشتے سے انکار نہ کریں گے۔ ویسے بھی قبلہ شاہ صاحب دینی راہنما ہیں اُن کے پاس جانے کی تمہیں اجازت بھی مل جائے گی۔

"کوشش کروں گی" ارجمند نے بجھے ہوئے دل کے ساتھ کہا تو طلعت نے پوچھا۔

سنا ہے مراد بھائی کی بہن سلمیٰ کی شادی اُن کے ایک دوست فاروق سے ہو گئی ہے۔

"تم نے صرف سُنا ہے لیکن میں نے اس شادی میں شرکت بھی کی ہے" ماہ جبیں نے کہا۔ فاروق ہمارے دور کے رشتے دار ہوتے ہیں۔ ڈولی میں بیٹھتے ہوئے سلمیٰ اور بی بی صاحبہ بیٹے کو یاد کر کے بہت روئیں اللہ میرا کلیجہ منہ کو آگیا۔ حالانکہ خود شاہ صاحب نے باپ اور بھائی بن کر سلمیٰ کو اپنے ہاتھوں ڈولی میں بٹھا کر رخصت کیا۔ بی بی صاحبہ کا خیال تھا مراد بہن کو رخصت کرنے ضرور آئیں گے

لیکن پتہ چلا کہ وہ آجکل نجیب الدولہ کا کوئی اہم پیغام لے کر دکن گئے ہوئے ہیں۔

نواب صاحب کے آتے ہی راز و نیاز کی باتیں بند ہوگئیں۔ نواب صاحب نے سب بچیوں کو پیار کیا اُن کے والدین کی خیریت دریافت کی اور پھر ارجمند سے کہا۔

بیٹی تم جلدی سے اچھی ہو جاؤ تو ہم رختِ سفر باندھیں۔ نجیب الدولہ کا جواب آگیا ہے ہم اُن کے پاس ہی جا رہے ہیں۔ وہ میرے بچپن کے دوست بھی ہیں۔

اچھا تم لوگ باتیں کرو میں ذرا ضروری کام سے جا رہا ہوں۔

یہ بات سنتے ہی ارجمند کے دل میں لڈو پھوٹنے لگے تھے اور سہیلیوں نے چھیڑ چھاڑ سے اُس کا حشر کر دیا۔

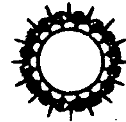
رعنا نے کہا۔

بی مان گئے ارجمند دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔ ادھر تم نے کہا اگر ملاپ قسمت میں ہوگا تو قدرت خود راستہ پیدا کر دے گی۔ اُدھر راستہ پیدا ہوگیا اب تو جناب وہاں خوب ملاقاتیں ہونگی ہر دن عید اور ہر رات شبِ برات ہوگی۔

ماہ جبیں نے گرہ لگاتے ہوئے کہا۔

ان ہی راتوں میں کوئی سہاگ رات ہوگی۔

اس مصرے پر وہ فرمائشی قہقہہ پڑا کہ حویلی کے در و دیوار گونج اُٹھے۔



جنگی تیاریاں

احمد شاہ ابدالی کے دربار میں تمام مراسلوں کا جواب آچکا تھا۔ تمام مسلمان حاکموں نے صرف ایک ہی بات تحریر کی تھی۔ وہ سب اسلامی اتحاد کو بالائے طاق رکھ کر ذاتی دشمنوں کو فوقیت دینے پر تلے ہوئے تھے اور مرہٹوں سے دشمنی لینے کو پانی میں رہ کر مگر مچھ سے بیر لینا تصور کرتے تھے۔ صرف ایک مراسلہ حوصلہ افزا تھا روہیلہ سردار نجیب الدولہ کا اُس نے جواب میں لکھا تھا۔

محترم بھائی میں آپ کے جذبہ ملّی کا اور مسلمانوں کو متحد ہوکر باہم اتفاق سے ایک مرکز پر اکٹھا ہونے کا خود بھی تہہ دل سے خواہش مند ہوں۔ لیکن ہندوستان کے افق پر مرہٹہ طاقت جس طرح ابھر رہی ہے اُس سے یہ خدشہ پیدا ہوگیا ہے کہ اس طوفان کے سامنے بند باندھنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہوگا۔ لیکن ان تمام خطرات کو پسِ پشت ڈالتے ہوئے بھی میں اسلام کے نام پر آپ کے ساتھ شامل ہوکر گیدڑ کی صد سالہ زندگی سے شیر کی ایک دن کی زندگی کو ترجیح دونگا۔ ہندوستان کی سرزمین پر آپ مجھے اپنا دوست اور وفادار ساتھی پائیں گے۔

اس مراسلے کے جواب پر احمد شاہ ابدالی نے خوش ہوکر اپنے سپہ سالار جہان خان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

جہان خاں یہ روہیلہ سردار ہمیں شروع سے پسند ہے۔ مرہٹوں کی طاقت کا

میں پہلے سے اندازہ ہے۔ اب ہمیں پیشقدمی کرنے سے قبل اس طاقت کو مدنظر رکھتے ہوئے جنگی ساز و سامان اور فوج تیار کرنی ہوگی۔ جسقدر زیادہ سے زیادہ فوج اکٹھی کر سکتے ہو کر لو۔

افغانستان میں جنگی تیاری ہو رہی تھی۔ عمادالملک کو معلوم تھا کہ پنجاب پر قبضے کے بعد احمد شاہ ابدالی چین سے نہیں بیٹھے گا۔ لہٰذا اس نے مرہٹوں سے ساز باز شروع کر دی تھی۔ جونہی اس بات کا علم بادشاہ عالمگیر ثانی کو ہوا اس نے وزیر سلطنت کو طلب کر لیا۔ بادشاہ نے بڑی محبت اور پیار سے عمادالملک کو پاس بٹھا کر کہا۔

عمادالملک ہم نے پہلے بھی جنگ کی ابتداء کرنے سے تمہیں منع کیا تھا۔ پنجاب کو فتح کرنے سے جو فائدہ ہمیں ہوا ہے اس سے کہیں بڑا نقصان ہمارا منتظر ہے عمادالملک تم ایک مسلمان فرمانروا کے مقابلے میں ان کافر لادین اور اخلاق باختہ مرہٹوں پر بھروسہ کرتے ہو یاد رکھو اگر یہ برسر اقتدار آ گئے تو دہلی کا وہی حشر ہوگا جو ہلاکو خان نے بغداد میں کیا تھا۔ یا جو اسپین میں عیسائی فرمانرواؤں نے مسلمانوں کے ساتھ کیا تھا۔

عمادالملک نے ناگواری سے جواب دیا۔

آپ مذہب اور قوم کو سیاست کے ساتھ خواہ مخواہ وابستہ کر رہے ہیں۔ مذہب الگ اور سیاست الگ چیز ہے۔

بادشاہ نے جواب دیا۔

جان عزیز دین کو سیاست سے الگ کرو گے تو صرف چنگیزی ہی رہ جائے گی۔ مسلمانوں کی قسمت پر تباہی اور بربادی کی مہر اپنی تلوار سے نہ لگاؤ۔ تاریخ عالم گواہ ہے دنیا کی کسی قوم نے بھی آج تک مسلمانوں کے ساتھ دوستی نہیں نبھائی۔ دشمنی ضرور روا رکھی ہے۔

عمادالملک نے چڑ کر جواب دیا۔

جہاں پناہ میں پہلے بھی عرض کر چکا ہوں کہ آپ عیش و عشرت کی محفلیں سجائیں رموز سلطنت اور حکومت کی سیاست کو اس غلام پر چھوڑ دیں۔ آپ نادر شاہ درانی کے لگائے ہوئے زخم بھول چکے ہیں جس طرح اس نے دہلی کو لوٹا تھا ایسے تو کوئی دشمن بھی تاخت تاراج نہیں کرتا۔ اس کی تلوار نے دہلی میں قتل عام کرتے ہوئے مسلمانوں اور کافروں میں کوئی تمیز نہیں کی تھی۔

بادشاہ نے جواب دیا۔ وہ کل ہی بات تھی نادر شاہ درانی اور احمد شاہ ابدالی میں بڑا فرق ہے عمادالملک۔

بادشاہ سلامت مجھے ان پٹھانوں سے ازلی نفرت ہے۔ یہ درانی ہوں۔ ابدالی ہوں یا روہیلے ہوں (عمادالملک نے طنزیہ کہا) ببول کے ان درختوں کی مانند ہیں۔ جن پر کبھی محبت کے پھول نہیں کھل سکتے۔ یہ اخلاقی قدروں سے بیگانہ قاتل اور لٹیرے ہیں۔ لوٹ اور مار ہی ان کا دین اور ایمان ہے۔

بادشاہ نے کہا۔

مرہٹوں کے متعلق تم کیا کہتے ہو کیا انہوں نے ہمارے علاقوں میں یہاں تک کہ دہلی میں بھی لوٹ مار نہیں کی۔ کیا لگان وصول کرنے کے بہانے وہ دونوں ہاتھوں سے ہماری رعایا کی دولت اور عزتیں نہیں لوٹ رہے۔

یہ مت بھولیئے بادشاہ سلامت مرہٹے ہی دہلی کے تاج و تخت کے سامنے کھڑی وہ چٹان ہیں جن کی پناہ میں یہ تاج و تخت قائم ہے۔ ورنہ کب کا یہ مسلمان نمک حلال حاکموں و صوبیداروں کے قبضے میں جا چکا ہوتا۔ اگر مرہٹوں کی نیت خراب ہوتی تو وہ کب کا دہلی پر قبضہ کر چکے ہوتے وہ ساون کی گھٹا بن کر ضرور داخل ہوتے اور برس کر واپس لوٹ گئے۔

عمادالملک نے جواب دیا تو بادشاہ نے کہا۔

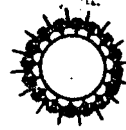
ہم گزرے ہوئے کل کی نہیں آنے والے کل کی نشاندہی کر رہے ہیں......

عمادالملک نے بات کاٹ کر کہا۔

کل کیا ہونے والا ہے اُس کی خبر جہاں پناہ کو نہیں ہے۔ ساون کی ڈوری پر موقوف زندگی ہے یہ ڈوری کب کٹ جاتی ہے کسی کو علم نہیں۔

پھر اس سے پہلے کہ گفتگو آگے بڑھے عمادالملک آدابِ شاہی کو نظر انداز کرتے ہوئے زمین پر پاؤں بجاتا یہاں سے چلا گیا۔ بادشاہ نے حقارت سے کہا۔

خدا تجھے غارت کرے مردود تجھے یہ بھی علم ہو گیا ہے کہ میرے اور نجیب الدولہ کے درمیان کوئی خفیہ خط و کتابت جاری ہے۔ عمادالملک تم ہماری حکومت کی آستین میں پلنے والے وہ سانپ ہو جو نہ صرف سلطنتِ مغلیہ کو ہی بلکہ پوری مسلمان قوم کو ڈس رہا ہے تیرا وجود عالمِ اسلام کے لیے بہت بڑا خطرہ ہے۔ تم جیسے دوست ہوں تو پھر دشمنوں کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔



ہندوستان پر ابدالی کا چوتھا حملہ

۱۷۵۶ء کی ایک تاریک رات کی جب صبح ہوئی تو احمد شاہ ابدالی کی افواج پنجاب کی سرحدوں میں داخل ہو رہی تھی۔ اُس نے تمام سرحدی چھاؤنیوں کو الٹتے ہوئے جب لاہور کی طرف پیشقدمی کی تو حاکم لاہور ادینہ بیگ کی آنکھ کھلی لیکن ابدالی قضائے الٰہی کی طرح اُس پر اِس طرح نازل ہوا تھا کہ اُسے کوئی بڑی مزاحمت کرنے کا موقعہ ہی نہ مل سکا۔ اُس نے ادینہ بیگ کو معزول کر کے اپنے بیٹے تیمور شاہ کو حاکمِ پنجاب مقرر کیا اور پھر دہلی کی طرف پیشقدمی کی۔

عمادالملک کو پنجاب کی شکست کی جونہی خبر ملی اُس نے ابدالی کی یلغار کو روکنے کے لیے مرہٹوں سے امداد طلب کی۔ مرہٹے مرہٹہ ایمپائر قائم کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے اور اپنی طاقت کو بڑھانے میں لگے ہوئے تھے اور ایک بڑی جنگ کی تیاری میں مصروف تھے اس لیے پیشوا نے کوئی بڑی مزاحمت کرنے کی بجائے عمادالملک کا اعتماد قائم رکھنے کے لیے مختصر سی فوج بھیج دی جو مغلوں کی فوج کے ساتھ شامل ہو گئی لیکن یہ فوج ابدالی کی عسکری قوت کے مقابلے میں ریت کی دیوار ثابت ہوئی جسے ابدالی خس و خاشاک کی طرح بہا لے گیا کیونکہ یہاں اُس کے ساتھ نجیب الدولہ اپنے معتمد امراء اور اپنی فوج کے ساتھ شامل ہو گیا تھا۔ اس مختصر سی جنگ میں اُس نے نجیب الدولہ کے شمشیر خاص کے جوہر دیکھ کر بار بار اُس کی تعریف کی تھی اور نجیب الدولہ سے کہا تھا۔

کاش میرا بیٹا تیمور شاہ بھی ایسا ہی دلاور اور شجاع ہوتا۔ نجیب الدولہ تم خوش قسمت ہو جو تمہارے پاس ایسی تلوار موجود ہے جو بجلی بن کر دشمن پر ٹوٹ پڑتی ہے۔

احمد شاہ ابدالی مغل اور مرہٹی فوجوں کو شکست فاش دیتا ہوا فاتحانہ انداز میں دہلی میں داخل ہوا۔ اس جنگ میں مغل فوجوں کی کمان عماد الملک کر رہا تھا جو شکست کے بعد جان بچا کر بھاگ گیا تھا اور اُس نے بھگوڑہ مرہٹوں کے ایک کیمپ میں پناہ لی تھی۔ احمد شاہ جب دہلی میں داخل ہوا تو محل کے صدر دروازے پر عالمگیر ثانی کو اپنی پذیرائی کے لیے موجود پایا عالمگیر ثانی احمد شاہ سے بغل گیر ہو کر ملا اور اُسے اپنے محلِ خاص میں ٹھہرایا۔ اور اُس سے کہا۔

برادرِ من ہمیں ایسے ہی مردِ مومن کی ضرورت تھی۔ جو عالم اسلام کے اتحاد کا داعی ہو اور مرہٹہ طاقت کا مونہہ توڑ جواب دے سکے ہم اپنی خوشی سے سلطنتِ مغلیہ کا تاج آپ کے سر پر رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ تاج اُسی سر پر بہتر معلوم ہوتا ہے جو اِس کی حفاظت کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔

ابدالی نے جواب دیا۔

یہ تاج و تخت آپکو مبارک ہو۔ میں یہاں حکومت کرنے نہیں آیا بلکہ مغلیہ سلطنت کی امداد کرنے آیا ہوں میں چاہتا ہوں ہندوستان میں یہ حکومت اتنی مضبوط ہوجائے کہ کسی کو سر اُٹھانے کی جرأت نہ ہو۔ مجھے ہوسِ ملک گیری نہیں خدا نے جو سلطنت عطا کر رکھی ہے میں اُسی پر ہی خوش ہوں۔ انشاءاللہ ایسا انتظام کر کے جاؤں گا جس مغل حکومت دوبارہ اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کر لے گی۔ آپ میرے بھائی ہیں پنجاب کا علاقہ ہم دونوں کے درمیان پل کا کام دے گا۔ جب بھی میری مدد کی ضرورت ہو میں آجاؤں گا۔

ملاپ اور خوشی

ان ہنگاموں میں احمد شاہ ابدالی ہر وقت نجیب الدولہ اور مراد کو اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ آخر ذرا مہلت ملی تو مراد نے نجیب الدولہ سے اپنی والدہ اور شاہ صاحب سے ملنے کی اجازت طلب کی جو نجیب الدولہ نے اُسے دے دی۔

مراد جب گھر میں داخل ہوا تو بی بی صاحبہ کی طبیعت ناساز ہونے کے سبب سلمیٰ اور فاروق گھر میں موجود تھے۔ بی بی صاحبہ نے سر پر ہاتھ پھیر کر کہا پگلا کہیں کا ماں کی ممتا کا امتحان لینا چاہتا ہے۔ یہ کیسے ممکن ہے میرے ہی جسم کا ایک حصہ میرے پاس موجود ہو اور مجھے احساس نہ ہو۔ ماں کو تو بیٹے کی خوشبو ہی آجاتی ہے۔

مراد ماں سے لپٹ گیا۔ اس کے بعد سلمیٰ بھی بھاگ کر بھائی سے لپٹ کر رونے لگی۔ یہ عجیب سماں تھا خوشی اور ملاپ کے اس موقعے پر تینوں سسکیاں لے کر رو رہے تھے۔ آخر فاروق نے ہی کہا۔

بی بی صاحبہ۔ سلمیٰ مراد بھائی کے آنے کی خوشی کی بجائے رو رہی ہو اور اُسے بھی رلا رہی ہو۔

آخر خدا خدا کر کے یہ جذبات کا طوفان تھما تو مراد نے دہلی سے جانے کے بعد کے تمام حالات سے گھر والوں کو مطلع کیا۔ سب نے مل کر کھانا کھایا۔ جب ذرا فرصت ہوئی تو مراد فاروق کو لے کر سیدھا احمد اللہ شاہ صاحب کی خانقاہ جا پہنچا۔ شاہ صاحب

مراد سے ملکر بہت خوش ہوئے۔ حالات حاضرہ اور گزرے ہوئے حالات پر کافی دیر تک باتیں ہوتی رہیں۔ شاہ صاحب نے احمد شاہ ابدالی کی تعریف کرتے ہوئے اُس کے حق میں دعا کی۔ آخر باتوں کا رُخ نواب فخر الدولہ تک جا پہنچا کیونکہ شاہ صاحب مراد کے دلی اضطراب سے بھانپ گئے تھے۔ پھر مراد کا دل یہ سنکر بیٹھ گیا کہ نواب صاحب نے اپنا منصب واپس کر دیا ہے اور خود دہلی سے اپنی جاگیر میں عارضی طور پر منتقل ہو گئے ہیں۔ وہاں سے وہ شاید نجیب الدولہ کے ہی پاس جانا چاہتے ہیں۔

دوسرے دن مراد نے فاروق کو منالیا تھا کہ وہ اُس کے ہمراہ نواب فخر الدولہ کی جاگیر پر اُس کے ساتھ جائے گا لیکن صبح ہی صبح اُسے مغل دربار سے بلاوا آگیا جہاں نجیب الدولہ نے اُسے طلب کیا تھا۔ لہذا اُسے اپنا ارادہ ملتوی کرنا پڑا اُس نے اپنے دل کو سمجھالیا کہ محبت کے علاوہ اور بھی ذمہ داریاں ایسی ہیں جن کا پورا کرنا اُس کے ایمان کا حصہ بن چکا ہے۔

مراد جب شاہی محل پہنچا تو نجیب الدولہ کو اپنا منتظر پایا۔ علیک سلیک کے بعد نجیب الدولہ نے کہا۔

بیٹے مراد مجھے تو تم کوئی بہت بڑے جادوگر لگتے ہو۔

"حضرت یہ خیال اچانک آپ کے دل میں کیسے پیدا ہوا قبلہ" مراد نے پوچھا تو نجیب الدولہ نے جواب دیا۔

بھئی پہلے تم نے مجھ پر جادو کیا اور مجھے اپنا گرویدہ بنا لیا۔ اب احمد شاہ ابدالی کئی کئی بار تمہارے مطلق پوچھ چکا ہے۔ کیا جادو کیا ہے اُس پر۔

مراد نے انکساری سے جواب دیا۔

جادو نہیں قبلہ یوں کہئیے ہم سب کی منزل ایک ہی ہے صرف راستے اور مرتبے جدا جدا ہیں۔ عالم اسلام کا اتحاد۔ ہندوستان میں ایک مضبوط اسلامی حکومت

قیام۔ اسی لیئے ہم گھوم پھر کر ایک ہی مرکز پر آملتے ہیں۔

ٹھیک کہا تم نے اچھا اب چلو احمد شاہ ابدالی نے دربار میں اہم فیصلوں کے لیے ب کو طلب کیا ہے۔

دربار میں احمد شاہ ابدالی مغل بادشاہ عالمگیر ثانی کے پہلو میں بیٹھا ہوا تھا اور دربار ں تمام امراء وزرا اور کمانڈرین موجود تھے۔

احمد شاہ ابدالی نے تمام درباری عہدے داروں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

میں آپ سب کی موجودگی میں عالمگیر ثانی کو ہندوستان کا شہنشاہ تسلیم کرتا ہوں۔ ر ان کی معاونت کے لیے اپنے دوست اور بھائی نجیب الدولہ کو وزیر اعظم مقرر کرتا ہوں۔ اور انہیں امرالامراء کا خطاب عطا کرتا ہوں۔

پھر اُس نے نجیب الدولہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

نجیب الدولہ آپ جلدی ہی شاہی فرمان تمام صوبیداروں کو ارسال کریں۔ کہ اُن کو پہلے کی طرح اُن کے صوبوں میں حاکم تسلیم کیا جاتا ہے اور انہیں حکم دیا جاتا ہے کہ وہ پہلے کی طرح سلطنتِ مغلیہ کے وفادار ہونے کی حیثیت سے واجب الادا رقوم شاہی خزانے میں جمع کروائیں اور شاہی دربار میں حاضر ہو کر بادشاہ کے روبرو وفاداری کا حلف اٹھائیں۔

احمد شاہ ابدالی کی وجہ سے بگڑا ہوا نظام کسی حد تک درست ہو گیا تھا اور اس کے لیئے مراد کو دن رات نجیب الدولہ کے پاس رہ کر خدمات سرانجام دینی پڑی تھیں۔ وقت پر لگا کر اڑ گیا اور ایک ماہ گزر گیا، پھر جب اُسے احمد شاہ کی واپسی کا پتہ چلا تو وہ خوش ہوا کہ اب وہ کسی بھی دن ارجمند سے ملنے جا سکے گا۔ اِس دوران یں وہ کئی دفعہ اپنی ماں بہن اور فاروق سے ملتا رہا تھا۔

ابدالی فوج دہلی سے کوچ کر چکی تھی لیکن ابدالی چند امراء کے ہمراہ ابھی موجود تھا۔

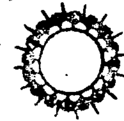
رات گھر پر گزارنے کے بعد جب مراد یہ منصوبہ بنا کر نجیب الدولہ کے پاس پہنچا کہ وہ نواب فخر الدولہ سے ملاقات کے لیے دو روز کی رخصت چاہتا ہے تو نجیب الدولہ سُن کر مسکرا دیئے اور بڑی محبت سے کہا۔

بیٹے اب تم میرے ماتحت ہی نہیں احمد شاہ ابدالی کے ماتحت ہو اور اُن کیساتھ ہی پنجاب جا رہے ہو۔ انہوں نے تمہیں مجھ سے مانگ لیا ہے۔ وہ تمہیں حاکم پنجاب اپنے بیٹے تیمور شاہ کا مشیرِ خاص مقرر کر چکے ہیں۔

مراد کے دل پر دھچکا سا لگا لیکن اُس نے سوچا اُسے ارجمند کو حاصل کرنے کے لیے اُس کا ہم رتبہ بننا پڑے گا اور پھر یہ اس کے لیے کتنے بڑے اعزاز کی بات ہے کہ خود احمد شاہ ابدالی نے اُس کے لیے خواہش کی۔ اُسے خاموش دیکھ کر نجیب الدولہ نے سوال کیا کیا سوچنے لگے بیٹے۔

مراد نے جواب دیا۔ یہ اعزاز اور یہ رتبہ آپکی وجہ سے ملا ہے سوچتا ہوں کن الفاظ میں آپ کا شکریہ ادا کروں۔

بیٹے تم مٹی میں پڑے ہیرے تھے جوہر شناش نظروں نے تمہیں پہچان لیا۔ جاؤ ابدالی نے تمہیں بلایا ہے۔



دریا کے دو کنارے

ارجمند کو دہلی میں مراد کی موجودگی کی اطلاع رعنا کے خط سے مل چکی تھی اُسے توقع تھی کہ کسی روز مراد اُس سے ملنے ضرور آئے گا۔ وہ ہر صبح سورج کے طلوع ہوتے ہی آس اور امید لگا کر بیٹھ جاتی اور حویلی کے دریچے سے دور شہر سے آنے والی پگڈنڈی کو تکتی رہتی لیکن غروب آفتاب کے ساتھ ہی یہ امید دم توڑ دیتی۔ اُسے بہت دُکھ تھا کہ مراد نے اُسے بھلا دیا ہے جب کہ وہ جدائی میں ماہی بے آب کی طرح تڑپ رہی تھی۔ آخر ایک روز قبلہ شاہ صاحب سے ملاقات کے بہانے اُس نے نواب صاحب کو دہلی جانے پر راضی کر لیا کیونکہ چند ہی روز میں وہ یہاں سے کوچ کرنا چاہتے تھے اسی بہانے نواب صاحب نے سوچا وہ نجیب الدولہ کو وزیر اعظم بننے کی مبارک باد بھی دیتے آئیں گے۔ عماد الملک کی معزولی کے بعد اگر وہ چاہتے تو اپنا منصب دوبارہ حاصل کر سکتے تھے لیکن انہیں مغل دربار اور شہر دہلی کے نام سے وحشت ہونے لگی تھی۔ اُن کے پاس پشت در پشت کی جمع کی ہوئی بے حساب دولت تھی جس سے وہ کہیں بھی بقایا زندگی عیش اور آرام سے گزار سکتے تھے لیکن انہوں نے دہلی کے بعد نجیب الدولہ کے علاقے کو ہی پسند کیا تھا۔ اور اب وہ سکون سے بیٹھ کر بیٹی کی شادی کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتے تھے۔ انہوں نے دل ہی دل میں ارجمند کے لیے کسی بڑے عہدے دار اور حاکم

کا تصور کر رکھا تھا۔ لیکن بیچاری ارجمند باپ کے خیالات سے لاعلم اپنے دل میں مراد کی تصویر کو سجائے بیٹھی تھی۔ شاہ صاحب بڑی محبت اور شفقت کے ساتھ نواب صاحب سے ملے۔ ارجمند کو پیار کیا۔ اس کے بعد نواب صاحب اور شاہ صاحب میں موجودہ تبدیلی پر گفتگو ہوتی رہی۔ ارجمند اس طویل گفتگو سے بیزار ہو کر دعائیں مانگ رہی تھی کہ کسی طرح مراد کا ذکر بھی چلے آخر اُسکی دلی مراد پوری ہو گی۔ خود شاہ صاحب نے ہی بتایا کہ مراد کو احمد شاہ ابدالی اپنے بیٹے حاکم پنجاب کا مشیر مقرر کرتے ہوئے اپنے ساتھ لے گیا ہے۔ یہ خبر ارجمند کے دل پر بجلی بنکر گری۔ وہ مراد سے ملاقات کی آرزو لیکر دہلی آئی تھی اور اس بات پر خوش تھی کہ نواب صاحب نے اُس جگہ کا انتخاب کیا ہے جہاں مراد موجود ہے۔ لیکن اُس کی آرزوؤں پر بجلی سی گری تھی۔ مراد نہ صرف دہلی سے جا چکا تھا بلکہ اب نجیب الدولہ کی جاگیر میں بھی اُس سے ملاقات کی اُمید ختم ہو گئی تھی۔ دوران گفتگو نواب صاحب سے شاہ صاحب نے ارجمند کی شادی کا ذکر چھیڑ دیا تو نواب صاحب نے کہا۔

ارجمند کی حیثیت کے مطابق کوئی لڑکا آپکی نظر میں ہو تو بتائیں میں اس فرض سے جلدی سے عہدہ برہونا چاہتا ہوں۔

شاہ صاحب نے جواب دیا۔

ایک لڑکا ہے میری نظر میں لیکن پہلے آپ سکون سے کہیں سکونت اختیار کر لیں تو بتاؤں گا لیکن ایک وعدہ آپ کریں کہ کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے مجھ سے مشورہ ضرور کریں گے۔

انشاءاللہ ایسا ہی ہوگا میں وعدہ کرتا ہوں۔

ارجمند کو کچھ امید بندھی کیونکہ وہ جانتی تھی مراد اُن کی آنکھ کا تارا ہونے کے علاوہ شاہ صاحب دونوں کے جذبات سے واقف بھی ہیں۔

شاہ صاحب سے یہ وعدہ کرنے کے بعد نواب صاحب اجازت لے کر رخصت ہوئے۔ ارجمند کو اُس کی سہیلی رعنا کے ہاں چھوڑا اور خود دربار روانہ ہو گئے۔ نجیب الدولہ نے بہت کوشش کی کہ نواب فخرالدولہ دوبارہ اپنے منصب کو قبول کر لیں لیکن نواب صاحب نہ مانے اور انکار کرتے ہوئے کہا۔ اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں بچی کی شادی کے بعد مکمل آرام کرنا چاہتا ہوں۔

نجیب الدولہ نے پوچھا۔

نواب صاحب صاحبزادی کیلئے کسی لڑکے کا انتخاب بھی کیا ہے یا نہیں۔

نواب صاحب نے جواب دیا۔

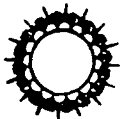
فی الحال تو کوئی لڑکا اُس کے ہم رتبہ نظر میں نہیں ہے دیکھیں خدا کیا کرتا ہے۔

نجیب الدولہ کو مراد کا خیال آگیا حالانکہ وہ اُس کی محبت سے بے خبر تھا اور مراد نے اس کا ذکر بھی کبھی نہ کیا تھا یہ محض اتفاق ہی تھا لہٰذا اُس نے کہا۔

نواب صاحب ایک لڑکا میری نظر میں ہے وعدہ کریں کوئی بھی فیصلہ کرنے سے قبل مجھ سے ضرور مشورہ لیں گے۔

بھئی مجھے تمہارے انتخاب پر بھروسہ ہے۔ لیکن بتاؤ تو وہ ہے کون؟ نواب صاحب نے سوال کیا تو نجیب الدولہ نے جواب دیا۔ بس سمجھ لو وہ میرا ہی لڑکا ہے میں اُسے بیٹے سے زیادہ چاہتا ہوں۔

مجھے منظور ہے مجھے تم سے زیادہ پیارا اور کون ہو سکتا ہے۔ اطمینان سے بیٹھ کر بات کریں گے کبھی۔



مکڑی کا جالہ

عمادالملک پونا میں مرہٹی پیشوا بالاجی باجی راؤ کے پاس بیٹھا اس تبدیلی پر تلملا رہا تھا۔ اُسے نجیب الدولہ کے وزیر بننے اور امیر الامراء کے خطاب سے نوازے جانے پر بہت دکھ ہوا تھا اور یہاں موجود شکست خوردہ مرہٹی سالار کے ساتھ بیٹھا مکڑی کی طرح سے سازشوں کا جالہ بن رہا تھا۔ بالاجی باجی راؤ نے نفرت سے شکست خوردہ سالار کو دیکھ کر کہا۔

ابدالی کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد تمہیں ڈوب مرنا چاہیئے تھا پھر تم کیا مونہہ لے کر میرے پاس آئے ہو رگھوناتھ؟

"نانا صاحب" (مرہٹے اپنے پیشوا کو اسی نام سے پکارتے تھے) پسینے سے تر پیشانی کو پونچھتے ہوئے سالار نے کہا۔

مجھے اُمید نہ تھی مغل فوج اِسقدر بزدلی کا مظاہرہ کرے گی۔ شاہی فوج میں موجود مسلمان سپاہیوں نے تو مقابلہ کرنے کی بجائے بھاگ نکلنے میں ہی عافیت سمجھی جس کا مقصد صاف ہے کہ وہ احمد شاہ ابدالی کو مسلمان سمجھتے ہوئے اُس سے مقابلہ کرنا ہی نہیں چاہتے تھے میں تنہا کہاں تک اپنے سپاہیوں کو بے مقصد کٹواتا اس لیئے ہزیمت اُٹھانی پڑی۔

تجویز کو معقول جانتے ہوئے پیشوا نے عمادالملک سے سوال کیا۔

عمادالملک جب تمہاری فوج ہی تمہارے بس میں نہیں تو تم حکومت کیا کرو گے۔

جب تمہارے اپنے ہی تمہارے دشمن ہیں تو مرہٹوں کی دوستی کب تک تمہارا ساتھ دے گی۔

عمادالملک نے ڈھیٹ بن جواب دیا۔

نانا جی مجھے تو پہلے بھی مرہٹہ فوج پر اعتماد تھا۔ ابدالی کی وجہ سے لوگوں میں یہ ہمت پیدا ہوئی تھی اُس کے جانے کے بعد اُن میں دم نہیں رہے گا ایسے آڑے وقت میں اگر آپ امداد کریں تو میں دوبارہ اقتدار حاصل کر سکتا ہوں۔ آخر میں آپکا دوست ہوں۔

نانا جی پیشوا نے جواب دیا۔

یہ تو ٹھیک ہے لیکن تم تو جانتے ہو جنگ کے لئے فوجوں کے کیا اخراجات ہوتے ہیں وہ کہاں سے آئیں گے دوستی کے نام پر میں اپنی قوم پر یہ بوجھ نہیں ڈال سکتا۔

عمادالملک نے بے غیرتی کی حد کرتے ہوئے جواب دیا۔

جنگ کے اخراجات کچھ تو میں اقتدار حاصل کرتے ہی شاہی خزانے سے ادا کرونگا اور کچھ کے لیے مرہٹہ سپاہیوں کو اجازت ہوگی وہ لوٹ مار کر کے عوام سے حاصل کر سکتے ہیں۔

نانا جی پیشوا نے طنزیہ جواب دیا۔

تو تم اپنے ذاتی اقتدار کے لئے ہمیں اپنی قوم کو لوٹنے کی اجازت دے رہے ہو۔ اب اس لوٹ مار کی ذمہ داری تمہاری گردن پر ہوگی ہمارے سر نہیں۔

عمادالملک تو اقتدار کی ہوس میں اندھا ہو رہا تھا اُس نے بغیر محسوس کیئے اور سمجھتے ہوئے جواب دیا۔

میں ہر قسم کی ذمہ داری قبول کرنے کو تیار ہوں اور یہ بھی وعدہ کرتا ہوں کہ آئندہ جب بھی مرہٹہ قوم کو میری مدد کی ضرورت ہوگی بلا تامل غیر مشروط طور پر میں مدد کیلئے حاضر ہونگا

پیشوا نے کہا۔

عمادالملک اپنے وعدے پر قائم رہنا ممکن ہے کبھی ہمیں تمہاری مدد کی ضرورت پڑ جائے تو تمہیں غیر مشروط طور پر ہمارا ساتھ دینا ہوگا۔

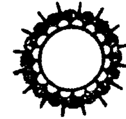
عمادالملک نے جواب دیا۔

میں تا دمِ آخر اپنے وعدہ پر قائم رہوں گا۔

تب پیشوا نے شکست خوردہ مرہٹی سالار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

رگھوناتھ تمہیں ایک موقعہ اور دیا جاتا ہے۔ فوج لیکر عمادالملک کے ساتھ دہلی پر حملہ کرو اور وزارت کی کرسی پر عمادالملک کو بیٹھا دو۔ یہ خیال رہے جنگ کے اخراجات تم نے عمادالملک سے وصول کرنے ہیں اور بقایا کے لیے لوٹ مار کرنے کی اجازت یہ خود دے چکا ہے۔ جاؤ عمادالملک آج ہی فوج لے کر روانہ ہو جاؤ۔

عمادالملک خوش ہوگیا یہ وہ مکڑی تھی جو سازش کا جال بننے میں کامیاب ہوگئی تھی۔



موت کی رات

شہر دہلی اور دربارِ مغلیہ میں غداروں کی کمی نہ تھی۔ یہاں اب بھی سلطنت کی آستین میں وہ سانپ موجود تھے جنہیں عمادالملک نے دودھ پلا کر پالا تھا۔ جونہی نجیب الدولہ کو عمادالملک کی قیادت میں مرہٹوں کی فوج کشی کی خبر ہوئی اُس نے بھی مغل فوجوں کو لے کر کھلے میدان میں خیمے گھاڑ دیئے۔ دونوں فوجیں دریائے جمنا کے آر اور پار خیمہ زن تھیں۔ مرہٹے اور عمادالملک بھی خیمہ زن ہوگئے دونوں کے درمیان دریائے جمنا حائل تھا۔ کئی روز فوجیں آمنے سامنے پڑی رہیں لیکن کسی بھی طرف سے جنگ کی ابتدا نہ ہوئی۔ نجیب الدولہ تو حملے کرنے کی بجائے حملے روکنے کی غرض سے میدان میں آیا تھا لیکن عمادالملک اپنے اُن غدار ساتھیوں کی معرفت سازباز کرکے مغل فوج کے فوجی پہرہ داروں کے ضمیر کا سودا کر رہا تھا جن کی ڈیوٹی رات بھر جاگ کر دشمن فوج کی نقل و حرکت پر نظر رکھنا تھی۔ بل آخر وُہ اِس سازش میں کامیاب ہوگیا۔ اُس نے مرہٹہ سردار رگھوناتھ سے مشورہ کیا اور سارا پروگرام اُسے سمجھا دیا۔

سورج غروب ہوتے ہی مشرق کی طرف سے کالی گھٹا اٹھی اور دیکھتے ہی دیکھتے تمام آسمان پر چھا گئی۔ اس کے ساتھ ہی بوندا باندی شروع ہوئی اور رات ہوتے ہی موسلا دھار بارش پڑنے لگی۔ اس موسم میں مغل فوج اپنے خیموں میں آرام کر رہی تھی اور حفاظت کی تمام ذمہ داری کے فرائض رات کے پہرے داروں کے

سپرد تھے جن کے ضمیر کو پہلے ہی خریدا جا چکا تھا۔ اس کے باوجود عمادالملک کے غدار اور ملت فروش ساتھیوں نے رات کے فوجی کھانے میں بے ہوشی کی دوا ملوا دی تھی۔ اس کے برعکس مرہٹی کیمپ میں ساری ہی فوج چوکس ہتھیار بند حملہ کرنے کے لیے تیار موجود تھی۔ بارش مسلسل ہو رہی تھی۔ آخر جب مغل فوج رات کے کھانے کے بعد بے ہوشی کے عالم میں پڑی تھی مرہٹہ فوج نے اپنے گھوڑے جمنا کے پانی میں اتار دیئے تھے اور تھوڑے ہی وقت کے بعد فوج کا بیشتر حصہ جمنا پار کر گیا اور پھر ان بزدلوں نے بے ہوش فوج پر شب خون مارتے ہوئے ہزاروں بندگانِ خدا کو تہ تیغ کر ڈالا۔ مرہٹہ کے سپاہیوں کے گھوڑے مغل فوج کے سپاہیوں کو ٹاپوں تلے روندتے ہوئے گزر گئے۔ عمادالملک نے کافروں کے ساتھ مل کر ہزاروں مسلمانوں کو قتل کر دیا۔

جونہی اس کی اطلاع نجیب الدولہ کو ہوئی مرہٹہ فوج دہلی کے شہر میں داخل ہو چکی تھی اور کسی بھی مزاحمت کا مقصد خودکشی کے علاوہ اور کچھ نہ تھا۔ بل آخر نجیب الدولہ نے عالمگیر ثانی کو مشورہ دیا "وقت کا تقاضا یہی ہے کہ جان بچائی جائے زندہ رہے تو تاج و تخت پھر حاصل کر لیں گے۔"

لیکن عالمگیر ثانی نے جواب دیا۔

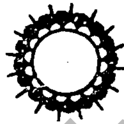
نجیب الدولہ عمادالملک میرا نہیں صرف تمہارا دشمن ہے مجھے تو وہ گھڑے کی مچھلی تصور کرتے ہوئے بے ضرر سمجھتا ہے۔ تم کسی بھی صورت جان بچا سکتے ہو تو بچاؤ میں اپنی موت اور زندگی اس تخت سے وابستہ کر چکا ہوں۔

عمادالملک جب فاتح مرہٹہ سردار رگھوناتھ کے ہمراہ شاہی محل میں داخل ہوا تو تلاشِ بسیار کے باوجود نجیب الدولہ کو نہ پا سکا البتہ عالمگیر ثانی سے اسے علم ہو گیا کہ نجیب الدولہ فرار ہو کر اپنی جاگیر پر جا چکا ہے۔ وہ نجیب الدولہ کا سر اپنے قدموں سے روندنا چاہتا تھا لیکن اس کی یہ حسرت دل میں ہی رہ گئی۔

سلطنت پر قبضہ ہوتے ہی شاہی خزانے میں جو دولت تھی عمادالملک نے جنگی اخراجات کے صلہ میں ادا کر دی اور بقایا کیلئے مرہٹوں نے ایک بار پھر دہلی کے عوام کو لوٹ لیا۔ دہلی لٹ رہی تھی اور بے غیرت عمادالملک مرہٹہ سرداروں کے ساتھ ہلکر محل میں فتح کا جشن منا رہا تھا رقص و سرور کی محفل آراستہ تھی اور ارغوانی جاموں میں شراب کی بجائے انسانی لہو چھلک رہا تھا۔ رقاصہ کے پاؤں تھرکتے رہے۔ رات گزرتی رہی اور پھر جب ساقی نے آخری جام بھر کر عمادالملک کی طرف بڑھایا تو نشے میں ہونے کے باوجود اس عیار نے اپنی انگوٹھی سے نظر بچا کر ایک سفوف ڈالتے ہوئے نازک اندام ساقی کو دیکھ لیا۔ پھر جب تلوار کی دھار صراحی دار گردن سے جا لگی تو اس پری وش نازنین نے حقیقتِ حال سے اسے باخبر کرتے ہوئے بتایا کہ۔

شراب میں زہر ملا کر پلانے کا حکم اسے بادشاہ سلامت نے دیا تھا۔

عمادالملک نے قہقہہ لگا کر کہا۔ شکریہ سلطانِ معظم لیکن یہ خانہ زاد بدلہ لینے میں دیر کرنے کا قائل نہیں۔



مریضِ عشق

ارجمند کی بیماری کی وجہ سے نواب فخر الدولہ ابھی تک جاگیر سے روانہ نہ ہو سکے تھے۔ تمام طبیبوں نے تبدیلی آب و ہوا کا مشورہ دیا تھا دوسری طرف نواب صاحب کا ارادہ نجیب الدولہ کے پاس جانے کا تھا جو خود اس مصیبت میں پڑا ہوا تھا اس ڈر کے پیشِ نظر کے انتقام لینے کے لئے عمادالملک نجیب الدولہ پر فوج کشی نہ کر دے وقتی طور پر انہوں نے وہاں جانے کا ارادہ ترک دیا تھا۔ آخر اسی پریشانی کے عالم میں ایک روز شاہ صاحب ارجمند کی عیادت کو تشریف لائے۔ طبیبوں کے متعلق نواب صاحب نے بتایا" سب کی رائے ہے ارجمند کے دل و دماغ پر کسی صدمے کا اثر ہے ارجمند سے پوچھنے پر وہ کہہ دیتی ہے کہ ایسی تو کوئی بات ہی نہیں تبدیلی آب وہوا کا مشورہ طبیبوں نے دیا ہے آپ بتاؤ ایسے پر آشوب دور میں کہاں لے جاؤں اسے۔؟

شاہ صاحب تو حالات سے باخبر تھے لہذا انہوں نے نواب صاحب کو مشورہ دیا۔

پنجاب کی آب وہوا بہت بہتر رہے گی میری رائے ہے آپ صاحبزادی کو پنجاب لے جائیں۔

نواب صاحب نے جواب دیا۔

لیکن قبلہ پنجاب میں میرا کون شناسا ہے کس کے پاس لے جاؤں۔

نواب صاحب نے ہنس کر جواب دیا۔

آپ مراد کو بھول گئے ہیں اب وہ ماشا اللہ حاکم پنجاب احمد شاہ ابدالی کے فرزند تیمور شاہ کا مشیر خاص ہے۔ آپ کی وہ کتنی عزت کرتا ہے آپ کو اچھی طرح علم ہے۔

ارجمند جو دروازے سے لگی سن رہی تھی نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے۔ دل زور سے دھڑکا اور آنکھوں سے رشک رواں ہو گئے۔

نواب صاحب نے سوچکر جواب دیا۔

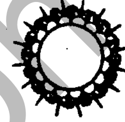
واقعی ہم برخوردار مراد کو تو بھول ہی گئے تھے وہ تو اپنوں سے زیادہ ہم سے محبت کرتا ہے۔ آپ کا مشورہ بہت معقول ہے پنجاب کی آب وہوا سے ضرور ارجمند اچھی ہو جائے گی۔ مرہٹوں کی لوٹ مار کے باعث میں اب جلدی ہی یہاں سے روانہ ہو جاتا ہوں۔

دہلی پر عمادالملک کی قیادت میں مرہٹہ فوج کشی اور مغل فوج کی شکست کی خبریں پنجاب میں مراد تک پہنچ چکی تھیں۔ اُسے اپنے محسن نجیب الدولہ کی طرف سے بہت فکر تھی کہ اگر عمادالملک نے روہیل کھنڈ پر حملہ کر دیا تو نجیب الدولہ مرہٹہ طوفان کو کیسے روک سکے گا۔ تیمور شاہ اُسے بھائیوں کی طرح پیار کرنے لگا تھا۔ مراد جیسے لوگ ہوتے ہی ایسے ہیں جو خود اپنی ذات میں انجمن ہوتے ہیں۔ اپنے کردار اور اخلاق سے ہر کسی کو گرویدہ کر لیتے ہیں۔ اس کے علاوہ احمد شاہ ابدالی نے تعارف کرواتے ہوئے بیٹے سے کہا تھا۔

تیمور شاہ یہ لڑکا محض تمہارا سیاسی مشیر ہی نہیں تمہارا بھائی ہے۔ میں اسے بیٹوں سے زیادہ چاہتا ہوں۔

آخر ایک روز مراد نے تیمور شاہ کو راضی کر ہی لیا کہ وہ چند ہفتوں کیلئے

اُسے رخصت دے تاکہ وہ اِس آڑے وقت میں اپنے محسن کی کوئی مدد کر سکے تھوڑی سی پس و پیش کے بعد بل آخر اُس نے تیمور شاہ کو راضی کر ہی لیا اور ایک دستے کے ہمراہ روہیل کھنڈ کی طرف روانہ ہو گیا۔



تقدیر کی گردش

مرہٹہ فوجیوں کا ایک دستہ کوئی لمبی مسافت طے کرتا ہوا سورج غروب ہونے اور اندھیرے کے سبب کہیں قیام کرنے کے لیئے جگہ تلاش کر رہا تھا جو دتا جی سندھیا کا نائب تھا۔ اور یہ وہی سالار تھا جسکا مقابلہ نواب فخرالدولہ کی حویلی میں اپنے آٹھ ساتھیوں کے ہمراہ مراد سے ہوا تھا۔ یہ وہی نابکار تھا جس نے ارجمند کو کمند میں باندھ کر اپنے گھوڑے پر ڈال لیا تھا۔ بندو راؤ کو دور مشعلیں روشن نظر آئیں تو اُس کے چہرے پر بشاشت آ گئی اُس نے ایک ساتھی سے کہا۔

وہ دُور روشنی نظر آ رہی ہے بھگوان نے ہمارے کھانے پینے کا بندوبست کر دیا ہے وہاں ضرور ہمیں کھانا اور ہمارے گھوڑوں کو گھاس مل جانے گی۔

اِس کے ساتھ ہی اُس نے اور ساتھیوں نے اِس روشنی کی طرف گھوڑوں کو ایڑ لگا دی۔

یہ پنجاب کا علاقہ تھا اور یہ روشنیاں چند خیموں کے درمیان جلتی ہوئی مشعلوں کی تھیں جن میں نواب فخرالدولہ اور ارجمند اور نوکروں کے علاوہ محافظ بھی موجود تھے۔ پنجاب کے علاقے میں داخل ہوتے ہی ارجمند کے چہرے پر بشاشت آ گئی تھی جسے نواب صاحب آب و ہوا کا اثر سمجھ رہے تھے حالانکہ یہ محبوب کے دیدار کی خوشی کے تحت تبدیلی واقع ہوئی تھی۔ دونوں باپ اور

بیٹی کی گفتگو کا محور مراد کی ہی ذات تھی جس کے پاس وہ جا رہے تھے۔ اچانک گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سن کر نواب صاحب چونک اٹھے۔ جب کہ ان کے محافظوں نے ہتھیار سنبھال لئے آنے والے تیس کے قریب مرہٹے فوجی تھے بندو راؤ نے مٹھی بھر ہتھیار بند محافظوں کو دیکھ کر کہا۔

تلواریں میان کر لو دوستو ہم دشمن نہیں دوست ہیں بھوکے ہیں ہمارے لئے کھانے کا بندوبست کرو اور جانوروں کے لیے گھاس کا۔

ایک محافظ ارشد خان نے نواب صاحب کو آنے والوں کی حقیقت سے آگاہ کیا۔ نواب صاحب بڑے مہمان نواز اور خاندانی قدروں پر جان دینے والے انسان تھے۔ انہوں نے ارشد خان کو جواب دیا۔

وہ بھوکے ہمارے در دولت پر آئے ہیں۔ مہمانوازی ہمارا فرض ہے۔ ملازموں کو کہو ان کے لیے کھانے اور ٹھہرنے کا بندوبست کریں۔ کھانا کھانے کے بعد بھوکے لمبی تان کر سو گئے اور رات دبے پاؤں گزر گئی۔

جونہی صبح کا سورج طلوع ہوا نواب صاحب خود مہمانوں کے پاس تشریف لے گئے۔ ارشد خان نے انہیں مرہٹہ سردار بندو راؤ سے ملوایا۔ نواب صاحب تو اسے نہ پہچان سکے لیکن اس نے نواب صاحب کو پہچان لیا۔ اسے اپنے ان زخموں میں ٹیسیں محسوس ہونے لگیں۔ جنہیں مراد نے لگایا تھا اور پھر اس کے سامنے اس وحشی ہرنی کا چہرہ گھوم گیا۔ ارجمند۔ پھر جونہی اسے علم ہوا وہ آہو چشم رات ہی خیموں میں موجود رہے اس پر شیطانیت اتر آئی۔ پھر اس نے اپنے میزبان نواب صاحب کا شکریہ ادا کرنے کی بجائے کہا۔

نواب صاحب میرا نام بندو راؤ ہے اور میں وہ زخم ابھی تک نہیں بھولا ہوں جو آپ کی حویلی میں لگائے گئے تھے۔ یوں سمجھ لیں گزرا ہوا زمانہ پھر لوٹ آیا ہے اگر اپنی اور اپنے ساتھیوں کی سلامتی چاہتے ہو تو اپنی بیٹی کو میرے حوالے کر دو۔

"کیا بکتا ہے مردود کتے ذلیل" کہہ کر نواب صاحب نے بندو راؤ کے مونہہ پر طمانچہ جڑ دیا۔

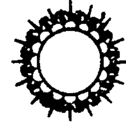
بندو راؤ کے تلوار نکالتے ہی تمام مرہٹہ سپاہیوں نے ہتھیار سنبھال لئے۔ دوسری طرف دس محافظوں نے بھی تلواریں بے نیام کر لیں۔ اور پھر یہ میدان تلواروں کی جھنکاروں سے گونج اٹھا۔ دونوں طرف سے زبردست مقابلہ شروع ہو گیا۔ برسوں بعد آج نواب صاحب نے تلوار ہاتھ میں پکڑی تھی وہ بہترین شمشیر زن تھے اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے ارجمند نے بستر علالت کو چھوڑا اور فوراً ہی مردانہ لباس پہن کر تلوار ہاتھ میں لئے مرہٹوں پر ٹوٹ پڑی۔ کسی کو علم نہ تھا کہ اس مردانہ بھیس میں کوئی حور شمائل بھی ہو سکتی ہے۔

پھر اس وقت جب نواب صاحب کے آدھے سے زیادہ محافظ کٹ چکے تھے اور وہ خود شدید زخمی تھے۔ قریب کے جنگل سے گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دیں۔ آنے والوں میں سب سے آگے حاکم پنجاب تیمور شاہ اپنے کوتل گھوڑے پر لمبا سا نیزہ سنبھالے نمودار ہوا اور اس کے بعد کئی سوار ہتھیار سنبھالتے اسی سمت تیزی سے بڑھے اور مرہٹوں کو چاروں طرف سے گھیرے میں لے لیا۔ تیمور شاہ نے ایک بزرگ کو زخمی حالت میں دیکھا تو گھوڑے سے اتر کر اسے باہوں میں لے لیا۔ چاروں طرف جانثاروں کی لاشیں دیکھ کر نواب نے افسردگی سے کہا۔

آپ کو آنے میں دیر ہو گئی ورنہ یہ جانثار بچ جاتے جو میری ناموس پر کٹ مرے ہیں۔ ہمارے مدمقابل یہ بزدل مرہٹے موجود ہیں جنہوں نے رات کی مہمان نوازی کا صلہ مجھے دن کے اجالے میں یہ دیا کہ یہ میری بیٹی کو اغوا کرنا چاہتے تھے۔

تیمور شاہ کے حکم پر تمام مرہٹوں کو گرفتار کر لیا گیا۔ پھر جونہی اُسے معلوم ہوا یہ زخمی بزرگ مغل سلطنت کے پنج ہزاری نواب فخرالدولہ ہیں اور یہ لوگ مراد کے عزیز ہیں۔ وہ ان کو عزت اور احترام کے ساتھ اپنے محل میں لے آیا۔

محل میں علاج معالجے کے بعد جب نواب صاحب نے مراد کے متعلق دریافت کیا تو انہیں پتہ چلا چند روز قبل مراد نجیب الدولہ کے پاس جا چکے ہیں۔ یہ سن کر ارجمند کے دل پر تیر سا لگا۔ تقدیر بار بار اُس سے مذاق کر رہی تھی۔ ایک دفعہ پھر منزل اُس سے دور ہو گئی تھی۔ وہ اپنی بے بسی پر روتی رہی اور جلتی رہی۔



طوفانی دورے

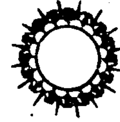
مراد جب واپس لوٹ کر آیا تو چراغ جل اُٹھے تھے۔ نجیب الدولہ نے اُسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ وہ کئی روز کے طوفانی دورے کے بعد لوٹ کر آیا تھا۔ نجیب الدولہ کے مشورے سے ایک دفعہ پھر مسلم اتحاد کی کوشش میں اُس نے اودھ اور دکن کے دورے کئے تھے اور بالآخر اُس نے شجاع الدولہ حاکم اودھ کو راضی کر لیا تھا کہ اگر احمد شاہ ابدالی نے مرہٹہ قوت کو ختم کرنے کے لئے ہندوستان پر حملہ کیا تو وہ اُس کا ساتھ دے گا۔ جب کہ اِس بار بھی دکن سے نا اُمید ہی لوٹ کر آیا تھا۔ نجیب الدولہ کے دل میں مرہٹوں کی طاقت کو کچل کر ملک میں دوبارہ مسلم اقتدار قائم کرنا تھا اِس لئے وہ مسلم اتحاد کے لیے تڑپ رہا تھا۔ اُسے علم تھا مرہٹے پورے ہندوستان پر ہندو ریاست کا خواب دیکھ رہے ہیں جہاں مسلمانوں کے لیے کوئی گنجائش نہیں۔ اُس نے مراد کی ہمت کو سراہتے ہوئے مزید کہا۔ مراد صرف تم ہی ایسے شخص ہو جو احمد شاہ ابدالی کے پاس جا کر اُسے مسلم اقتدار کو بچانے کے لئے فوج کشی کرنے پر آمادہ کر سکتے ہو۔ وہ تمہیں بیٹے کی طرح چاہتا ہے۔ وہ ایک دور اندیش حکمران ہے اور اِس بات سے بخوبی واقف ہے ہندوستان میں مسلمانوں کی زندگی کا انحصار اسی بات پر ہے کہ اِس بڑھتی ہوئی مرہٹہ طاقت کو کچل دیا جائے۔

مراد نے جواب دیا۔

قبلہ میں نے تو اپنی تمام خواہشات کو ملتِ مسلمہ پر قربان کر دیا ہے۔ میں جاؤں گا احمد شاہ ابدالی کے پاس اور اُس سے فریاد کروں گا۔

اے مسلمانوں کے بادشاہ ہندوستان مسلمانوں کے لیے کربلا کا میدان بن گیا ہے یہ جنگ آخری جنگ ہے اور اسے ہمیں ہر حالت میں جیتنا ہے اگر یہ جنگ ہر گئی تو پھر ہندوستان میں خدا کا نام لینے والا کوئی باقی نہ رہے گا۔

مراد بیٹے اب تاخیر سے کام نہ لو صبح ہی روانہ ہو جاؤ میں تمہاری کامیابی کے لیئے دعا کروں گا۔



گلاب کے پھول

ارجمند رات بھر اپنی قسمت پر روتی رہی تھی۔ اُسکا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا اور آنکھیں سوج گئی تھی۔ اُسے کمرے میں گھٹن محسوس ہو رہی تھی اس لیے وہ باغ میں چلی آئی جہاں چاروں طرف رنگ برنگے پھول عجب بہار دے رہے تھے۔ اس درختوں کے درمیان ایک خوبصورت حوض تھا جس میں چاروں طرف فوارے نصب تھے اور برسات کا سماں پیدا کرتے ہوئے ان کا پانی فوارے میں گر رہا تھا۔ ارجمند حوض کے کنارے جا بیٹھی اور پھر حوض کی منڈیر پر سر رکھ کر اس طرح لیٹ گئی کہ اُس کے گھنے اور لمبے بال حوض کے پانی میں تیرنے لگے اور ہوا کے جھونکوں سے فواروں کا پانی پھوار بن کر اُس کے جلتے ہوئے جسم پر پڑنے لگا۔ باغ میں سناٹا تھا دور دور تک کوئی نہ تھا۔ وہ اسی طرح بے سدھ پڑی رہی اور پھوار سے اُس کا ریشمی لباس بھیگتا رہا۔

"سبحان اللہ ہم نے ایسا حسن اور نظارہ کبھی نہیں دیکھا۔"

ارجمند ایک دم اُٹھ کر بیٹھ گئی اور پھر اپنے سامنے تیمور شاہ کو ہاتھوں میں گلاب کے پھول لیئے کھڑا دیکھ کر شرم سے چھوئی موئی کی طرح سمٹ گئی۔

تم کوئی حور ہو یا پری زار ہو۔ تم ضرور پھولوں کی شہزادی ہو۔ تیمور شاہ نے کہا تو ارجمند حیا سے اور سمٹ گئی اور گھگھیاتے ہوئے جواب دیا۔

جی میں ..... جی ہیں ..... ارجمند ہوں ...... نواب فخرالدولہ کی بیٹی۔

ماشاءاللہ ارجمند بانو تم تو وہ ہیرا ہو جسے بادشاہوں کے تاج میں جگمگانا چاہیے

کیا رشتہ ہے آپ کا مراد کے ساتھ؟

ارجمند پریشان تھی آخر وہ کیا رشتہ بتائے مراد تو اُس کے دل کا سکون اور روح کی پکار تھی لیکن اُس نے جلدی ہی اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے جواب دیا۔

جی ..... وہ ..... وہ ہمارے دور کے رشتہ دار ہوتے ہیں۔

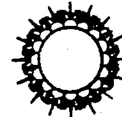
اُوہ میں سمجھا تھا شاید بہت نزدیک کا رشتہ ہوگا آپ کا اُس سے۔ باخدا مراد آ جائے ہم اُس سے اس ہیرے کو اپنی انگوٹھی کے لیے مانگ لیں گے

تیمور شاہ نے گلاب کے پھولوں کا گلدستہ ارجمند کے قدموں میں رکھ کر کہا۔

یہ پھول نہیں ہمارا دل ہے۔ امید ہے آپ اسے قبول کریں گی۔

تیمور شاہ جا چکا تھا۔ ارجمند کے دل پر چھریاں چل رہی تھیں۔ اُس نے روتے ہوئے آسمان کی طرف دیکھ کر فریاد کی۔

یا خدا آخر تو نے میرا آشیانہ کیوں بجلیوں کے مسکن پر لا کے رکھ دیا ہے۔ آخر تقدیر میری محبت کی دشمن ہو کر کیوں رہ گئی ہے۔ وہ پھولوں کو کچلتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بھاگ کر پلنگ پر گر کر رونے لگی۔



ہجر کی آگ

مراد صرف ایک دن کے لئے آیا۔ اُس نے نواب صاحب کے یہاں چلے آنے پر خوشی کا اظہار کیا۔ وہ سارا دن تیمور شاہ اور نواب صاحب کے ساتھ بیٹھ کر ملکی سیاست پر بحث کرتا رہا اور اُس نے بتایا کہ اب اُسے پھر طوفانی دورہ کرتے ہوئے افغانستان احمد شاہ ابدالی کے پاس جانا ہے۔ اُس نے تیمور شاہ سے درخواست کی کہ وہ اُن کے بزرگ اور شفیق مہمان نواب صاحب کی نگہداشت میں کسی کوتاہی سے کام نہ لے۔ آخر رات کے وقت اُسے فرصت ملی کہ وہ ارجمند سے ملاقات کر سکے۔

ارجمند اپنے کمرے میں ہجر کی آگ میں جل رہی تھی آنسو رواں تھے کہ دبے پاؤں مراد کمرے میں داخل ہوا اور قریب ہی بیٹھ گیا۔ ارجمند نے اُسے دیکھا اور ہچکیاں لے کر رونے لگی۔ مراد نے ندامت سے کہا۔

ارجمند اس طرح نہ رویا کرو خدا کی قسم محبت کی آگ میں تم تنہا نہیں جل رہیں تمہیں کیا معلوم تمہارے آنسو میرے دل پر انگاروں کی طرح برس رہے ہیں۔ میں تمہارے جذبات سے غافل نہیں ہوں۔

"ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن۔ خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک:

ارجمند نے شعر میں جواب دیا۔

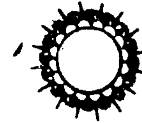
ارجمند تھوڑا سا صبر کرو ہمیں اپنی بقا کے لیے ایک آخری جنگ لڑنی ہے۔ مادرِ وطن کی مانگ بھرنے کے لیے ہمیں تھوڑی دیر اور ہجر اور فرقت میں تڑپنا ہے۔ آزادی کی خاطر جس طرح میں کانٹوں بھری راہ پر دوڑ رہا ہوں کاش تمہیں دکھا سکتا کتنے کانٹے میرے دل میں ٹوٹ چکے ہیں۔ میری روح کتنی زخمی ہے اس کا تم تصور نہیں کر سکتی۔ خدا کے لئے اپنی صحت کا خیال رکھو میں تم سے تمہاری زندگی کی بھیک مانگتا ہوں۔

مراد نے جواب دیا اور ارجمند نے کہا۔

تمہیں کیا خبر مراد میں کس طرح تلوار کی دھار پر کھڑی ہوں۔ اتنی دیر نہ کر دینا کہ ہمارا ملاپ اس دنیا میں ممکن نہ رہے۔ اس سے پہلے کہ میرے آشیانے کے تنکے کوئی طوفان بکھیر دے اس آشیانے کے محافظ بن کر آ جانا۔ تمہیں علم ہے میں مشرقی لڑکی ہوں اگر اباحضور نے کوئی فیصلہ کر لیا تو میں زبان کھولنے کی بجائے اسے ہمیشہ کے لیے بند کر لوں گی۔

ارجمند نے ہیرے کی انگوٹھی دکھاتے ہوئے کہا۔

باتوں باتوں میں فجر کی اذان ہو گئی۔ مراد نے باہر آکر وضو کیا۔ نماز پڑھنے کے بعد اپنی کامیابی کی دعا کی اور پھر پنجاب سے کابل روانہ ہو گیا۔

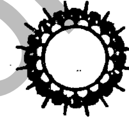


ہوس کا غلام

عماد الملک نے پوری طرح سلطنت پر گرفت قائم کرنے کے بعد پیشوا سے پنجاب پر فوج کشی کرنے کے لیے مزید امداد طلب کی اور بڑی تعداد میں مرہٹہ فوج کے ساتھ پنجاب پر حملہ کر دیا۔ حملہ اتنا اچانک تھا کہ تیمور شاہ پوری طرح فوجی تیاری بھی نہ کر سکا اس نے اپنی مختصر فوج کے ساتھ مقابلہ کیا لیکن مرہٹہ سیلاب کو روکنے میں ناکام رہا۔ لیکن شکست سے پہلے ہی اس نے نواب فخر الدولہ کو مجبور کر کے ارجمند کے ساتھ نجیب الدولہ کے پاس بھجوا دیا۔ عماد الملک بڑے فخر اور غرور کے ساتھ فاتح کی حیثیت سے پنجاب پر قبضہ کر چکا تھا جب کہ تیمور شاہ نے راہ فرار اختیار کر کے اپنی جان بچانے میں عافیت سمجھی۔ اب مرہٹوں کا عروج اپنے کمال کو پہنچ چکا تھا۔ پنجاب سے دکن تک ان کا غلبہ تھا۔ پایہ تخت دہلی ان کے زیرِ نگیں تھا۔ پیشوا کو برصغیر میں مرہٹہ حکومت کا خواب شرمندہ تعبیر ہوتا دکھائی دے رہا تھا۔

عماد الملک اب سوچنے لگا تھا کہ کیوں نہ مرہٹوں کی طاقت اور امداد سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے دہلی کے تخت پر قبضہ کر لیا جائے۔ اس لئے کہ اب اس کی مزاحمت کرنے کی نہ تو عوام میں ہمت تھی اور نہ ہی درباری امرا اس کی مخالفت کر سکتے تھے۔ پھر ویسے بھی اسے عالمگیر ثانی پر بھروسہ نہیں رہا تھا۔ نجیب الدولہ سے خفیہ خط و کتابت کے متعلق اسے علم ہو چکا تھا اس

نے فوری طور مرہٹہ سالار گھوناتو سے مشورہ کیا بھلا اُسے کیا اعتراض ہو سکتا تھا۔ حفظ ماتقدم کے طور پر اُس نے مشورہ دیا! اس کی اجازت پیشوا سے لے لی جائے تو بہتر ہے۔ لیکن ہوس کے اس غلام نے اجازت نامے تک بھی صبر نہ کیا اور مکڑی کی طرح سے سازش کا جالہ بننے میں مصروف ہو گیا۔



وہ جو تاریک راہوں میں مارے گئے

عالمگیر ثانی آدھی رات کے قریب نیند نہ آنے کے سبب محل کے بائیں باغ میں ٹہل رہا تھا۔ اُس کا دماغ خطرات کی آماجگاہ بنا ہوا تھا۔ اُس نے سوچا کہ "عام آدمی ہونا کتنا اچھا ہے وہ سکون کی نیند سو تو سکتا ہے۔ لیکن بادشاہت آف میرے خدا"

ٹہلتے ہوئے اُس کی نگاہ تاریکی میں موجود ایک جھاڑی پر گئی جہاں ایک مکڑی بڑی سرعت کے ساتھ جالہ بننے میں مصروف تھی۔ حبشی غلام جو بادشاہ کا محافظ تھا بادشاہ کو جھاڑی کے پاس کھڑا دیکھ کر تیز تیز قدم اُٹھا کر پاس آیا اور سوالیہ لیکن مؤدب انداز میں عرض کی شہنشاہِ معظم کوئی خاص چیز اس جھاڑی میں موجود ہے جو حضور یہاں رک گئے۔

بادشاہ نے جھاڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

دیکھو کافور تاریکی کا فائدہ اُٹھا کر یہ مکڑی کیسے جلدی جلدی جالا بُن رہی ہے۔ ہماری سلطنت پر ایک تاریک رات محیط ہے اور اس تاریکی کا فائدہ کر دشمن دین و ایمان سازشوں کے جال بن رہے ہیں۔ نہ جانے اس رات کی سحر کب ہو گی کوئی اپنا خون جلا کر اس تاریکی میں اُجالا کرے گا۔

"آپ حضورِ انور" محافظ نے جواب دیا تو عالمگیر ثانی نے چونک کر اس غلام کی طرف دیکھا۔ کافور نے ادب سے سر جھکا کر سرگوشی میں کہا۔

شہنشاہِ معظم سلطنت پر چھائی ہوئی تاریک رات میں ایمان کی شمع سے روشنی ہو سکتی ہے

"ہم تمہارا مطلب نہیں سمجھے" بادشاہ نے سوالیہ انداز میں کہا۔ کافور نے ادب سے جواب دیا۔

حضورِ انور کوٹلہ فیروز شاہ میں ایک صاحب کشف و ایمان بزرگ ٹھہرے ہوئے ہیں۔ وہ بہت پہنچے ہوئے ہیں گزرے ہوئے حالات کے علاوہ آنے والے واقعات بھی بتا دیتے ہیں۔

بادشاہ نے خوش ہو کر کہا۔

کافور اگر تم سچ کہتے ہو تو پھر ہمیں اُس بزرگ کی خدمت میں لے چلو ہم کسی ذاتی خواہش کے لیئے نہیں قوم و ملک کی بھلائی کے لیئے اُن سے دُعا کرنے کی استدعا کریں گے اور کہیں گے وہ اپنی دُعا سے سلطنت پر محیط اندھیروں کو نورِ ایمان سے منور کردیں ہم عالمِ اسلام کے اتحاد کے لیئے اُن سے دُعا کرنے کو کہیں گے۔ رات کا وقت ہے کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوگی کہ بدنصیب بادشاہ بھیک مانگنے کے لیئے ایک درویش کے پاس گیا ہے۔

بہتر سلطانِ معظم میں آپکی سواری کا بندوبست کرکے حاظر ہوتا ہوں۔

کوٹلہ فیروز شاہ تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ دور دور تک کسی ذی روح کا نشان تک نہیں تھا۔ جھینگروں کی آواز کے علاوہ ہر طرف خاموشی طاری تھی۔ موت کی خاموشی۔ بادشاہ نے اجڑے ہوئے باغ میں بکھرے ہوئے خشک پتوں کو اپنے قدموں تلے کچلتا ہوا کافور حبشی کے ساتھ چلا آرہا تھا۔ اُس نے تاریکی اور سکوت کو محسوس کرتے ہوئے کافور سے سوال کیا۔

کوئی چراغ تک روشن نہیں کیا وہ بزرگ تاریکی میں رہتے ہیں؟ ہم سمجھے جن کا ضمیر روشن ہو جو چشمِ پنہاں سے اس عالم کو دیکھ رہے ہوں اُن کو تاریکی کا احساس کب ہوتا ہے۔

کافور حبشی بادشاہ کو لیکر کوٹلہ فیروز شاہ کی ایک تاریک راہ داری میں آکر رک گیا۔ پھر اُس نے اپنی تلوار میان سے نکالی۔ بادشاہ نے چونک کر دیکھا اور سوال کیا۔

خیریت۔ کوئی خطرہ محسوس کر رہے ہو جو تلوار نکال لی۔

کافور نے بھیانک قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

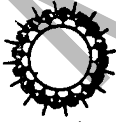
بادشاہ سلامت یہاں کوئی خطرہ نہیں۔ کوئی دیکھنے والا نہیں۔ کوئی مدد کرنے والا نہیں وار تو آپ کا گلا کاٹنے کے لیئے نکالی ہے۔

کیا بکتے ہو نمک حرام؟ بادشاہ نے غصے سے کہا تو کافور نے تمسخر اڑاتے ہوئے جواب دیا۔

حضورِ انور نمک ہی حلال کرنے آیا ہوں۔ میں وزیر سلطنت عماد الملک کا غلام ہوں۔ آپ مغل سلطنت پر محیط اندھیروں کو دور کرنا چاہتے ہیں۔ اور میں آپ کی زندگی کا چراغ گل کرنے آیا ہوں۔

کافور نے ایک ہی وار میں بادشاہ کا سر تن سے جدا کر دیا۔

نہ کوئی ماتم ہوا۔ نہ ہی پرچم سرنگوں کیا گیا۔ نہ ہی کوئی فاتحہ خوانی ہوئی۔ عالمگیر ثانی کے قتل کے بعد عماد الملک نے کام بخش کے ایک پوتے کو شاہجہان ثالث کا لقب دے کر دہلی کے تخت پر بیٹھا دیا۔ لیکن قبل اس کے کہ اس کی بادشاہت تسلیم کی جائے۔ یہ خبر احمد شاہ ابدالی تک پہنچ گئی جہاں تمام حالات سے مراد اُسے باخبر کر چکا تھا۔ تیمور شاہ کی شکست اور عالمگیر ثانی کے قتل کا سن کر احمد شاہ ابدالی نے ایک دفعہ پھر ہندوستان پر حملہ کرکے آخری جنگ لڑنے کا فیصلہ کرلیا۔



آخری جنگ

احمد شاہ ابدالی طوفان کی طرح اپنی پوری طاقت کے ساتھ ہندوستان میں آخری جنگ لڑنے کے لیے روانہ ہوا۔ ۱۷۵۹ء کو اس نے پنجاب کی سرزمین پر قدم رکھا جہاں مرہٹہ سالار سابا جی سندھیا اُس کے مقابلے کے لیے اپنا لشکر لئے تیار کھڑا تھا۔ دونوں فوجوں میں زبردست تصادم ہوا۔ افغان سپاہیوں نے اس معرکہ میں ایسی شجاعت دکھائی کہ سورج غروب ہونے سے قبل ہی مرہٹوں کو کاٹ کر رکھ دیا اور انہیں شکست فاش دے کر احمد شاہ ابدالی نے لاہور پر قبضہ کر لیا۔

اس کے بعد ہی اُس نے ہر اول کے طور پر ایک لشکر اپنے سپہ سالار جہان خاں کی طرف روانہ کیا۔ دہلی کی حفاظت کے لئے سکندر آباد کے قریب مرہٹہ سردار ملہار راؤ ایک لشکر جرار لئے افغانوں کی راہ تک رہا تھا۔ جہان داد خان جونہی سکندر آباد پہنچا ملہار راؤ نے اُس پر حملہ کر دیا۔ گھمسان کی جنگ شروع ہو گئی۔ دونوں طرف کے بہادر اپنی شجاعت کا مظاہرہ کرتے رہے۔ تلواریں قضا الٰہی بن کر چلتی رہیں۔ میدان میں خون کی ندیاں بہہ گئیں اور لاشوں سے کشتوں کے پشتے لگ گئے۔

مرہٹے پنجاب کی شکست کا بدلہ لینے کے لیے سیسہ پلائی دیوار بن کر میدان میں جمے رہے۔ دوپہر ڈھل رہی تھی کہ دہلی کی سمت سے گرد اڑتی دکھائی دی اس کے ساتھ ہی مرہٹی نعروں کی آوازیں آنی شروع ہو گئیں اور پھر جونہی افغان سپاہیوں نے

گرد و غبار میں مرہٹی پرچم دیکھے اس تازہ دم فوج کے آنے سے اُن کی ہمت پست ئی۔ لیکن جہاں خان نے ان کی ہمت بڑھاتے ہوئے ایک زوردار حملہ کیا اور اپنے تھ چند تازہ دم سپاہیوں کو لے کر اس شدت سے آگے بڑھا کہ راستے کی تمام مرہٹہ اروں کو کاٹتا ہوا وہ فوج کے قلب میں موجود ملہار راؤ تک جا پہنچا اور اپنے نیزے سے اُس کا دل چھید دیا۔ جونہی ملہار راؤ گھوڑے سے گرا جہاں خان نے اپنی تلوار سے اُس کا سر کاٹ کر نیزے پر چڑھا کر بلند کر دیا۔ مرہٹہ فوج نے جب اپنے سالار ا سر کٹا ہوا دیکھا تو میدان سے بھاگ کر تازہ دم فوج میں جا ملے۔ ایک دفعہ پھر میدانِ ارزار گرم ہوا لیکن جب سورج غروب ہونے کو تھا فضا اللہ ہو اکبر کے نعروں سے ونج اٹھی۔ افغانوں نے خوشی سے دیکھا احمد شاہ ابدالی کا مخصوص پرچم لہراتے ہوئے فغان فوج آرہی تھی۔ مرہٹوں نے جو احمد شاہ ابدالی کی آمد کا سنا تو دم دبا کر بھاگے لیکن جہان خان نے دہلی تک اُن کا پیچھا کرتے ہوئے سکندر آباد سے دہلی تک مرہٹہ لاشوں کا انبار لگا دیا۔ اور فاتحانہ انداز میں دہلی میں داخل ہو کر قبضہ کر لیا۔ اس ایک ہی مہم میں شمالی برصغیر میں ابدالی مرہٹہ عسکری قوت پر ضرب کاری لگانے میں کامیاب ہو گیا۔

جب مرہٹہ افواج کی شکست کی خبر پونا پہنچی تو مرہٹہ پیشوا بالاجی راؤ کی آنکھوں میں خون اُتر آیا اُسے مرہٹہ ایمائر کا خواب بکھرتا ہوا محسوس ہوا۔ اس ذلت آمیز شکست نے اس کے سنگھاسن کو زلزلے کی طرح ہلا کر رکھ دیا۔ اُس نے ابدالی کے مقابلے کے لیے ایک عظیم فوج تیار کی جس کی تعداد تین لاکھ سے زائد تھی۔ جس میں ۷۵،۰۰۰ ہزار پیادہ تھے۔ اس کے علاوہ کئی ہزار ہاتھی بھی شامل تھے۔ سداشو راؤ سالار مقرر ہوئے۔ اس فوج میں پیشوا کے لڑکے وشواس راؤ کے علاوہ متعدد اہم مرہٹہ سردار شامل تھے۔ دس ہزار بڑی توپوں کے ساتھ مشہور توپچی ابراہیم گاردی اپنے عملے

کے ساتھ فوج میں شامل تھا۔ ہندوستان کی سرزمین نے اس سے قبل کسی بھی جنگ میں اتنی عظیم فوج اور اتنی تعداد میں تجربہ کار اور بہادر سالار ایک ساتھ نہیں دیکھے تھے۔ پیشوا نے مرہٹہ ایمپائر قائم کرنے کے لئے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا تھا۔ جب یہ فوج دہلی کی طرف روانہ ہوئی تو راہ میں۔ سورج مل جاٹ بھی اپنی فوج کے ساتھ شامل ہو گیا۔ عالمگیر ثانی کے قتل کے وقت اس کا ایک بیٹا پٹنہ کا حاکم تھا باپ کی وفات کی خبر سن کر اس نے وہیں اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا۔ اس کا نام علی گوہر تھا جس نے شاہ عالم ثانی کا لقب اختیار کیا اور شجاع الدولہ والئی اودھ کو اپنا وزیر مقرر کیا۔ لہذا اس نے بھی شجاع الدولہ کے کہنے پر اپنی فوج کے ساتھ مرہٹوں کا ساتھ دیا۔ اس طرح جیسے جیسے یہ فوج آگے بڑھتی گئی ہندوستان کے راجے وغیرہ اس میں شامل ہوتے چلے گئے۔

اتنی بڑی مرہٹہ فوج کا سن کر احمد شاہ ابدالی بھی پریشان ہو گیا لیکن اسے اللہ کی ذات پر بھروسہ تھا۔ اب ہندوستان کے تمام راجے وغیرہ کھل کر سامنے آ گئے تھے۔ اب مقابلہ مرہٹوں اور احمد شاہ ابدالی کا نہیں کفر اور اسلام کا تھا۔ ہندوستان کے راجپوت۔ جاٹ اور سکھ سب ہندو حکومت کے خواب دیکھ رہے تھے۔ نجیب الدولہ کی فوج ملا کر احمد شاہ ابدالی کی فوج کی تعداد ایک لاکھ سے بھی کم تھی۔ ان کے پاس کوئی بڑا توپ خانہ بھی نہ تھا اور نہ ہی ابراہیم گاردی جیسا تجربہ کار توپچی ہی موجود تھا۔ نجیب اللہ کے ہمراہ نواب فخر الدولہ بھی دہلی آ گئے تھے۔ مراد اور نجیب الدولہ ہر وقت احمد شاہ ابدالی کے دائیں بائیں رہتے تھے اور اپنے مشوروں سے اسکی ہمت بندھاتے ہوئے تھے۔ اس جہاد میں احمد اللہ شاہ مع اپنی کفن پوش تنظیم کے مٹھی بھر جوانوں کے ساتھ آ شامل ہوئے تھے۔

احمد شاہ ابدالی۔ نجیب الدولہ۔ جہاں خان اور مراد بیٹھے جنگی نقشوں پر غور کر رہے تھے۔ آخر باہم فیصلہ یہی ہوا کہ دہلی میں رہنے کی بجائے ہمیں انوپ شہر (ضلع بلند شہر) کو مرکز بنانا چاہیئے۔ تاکہ جب مرہٹے اپنی طاقت کے زعوم میں دہلی پر قبضہ کر لیں تو اطراف سے رسد کے تمام راستے کاٹ دیئے جائیں۔

مرہٹے آندھی اور طوفان کی طرح بڑھتے چلے آرہے تھے اور راستے میں ان کی فوج میں مزید اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ مرہٹہ فوج کا سالار سداشو راؤ اپنی طاقت کے پیش نظر اتنا مغرور ہو گیا تھا کہ وہ راجے مہاراجوں کو بھی خاطر میں نہ لاتا تھا اور ذرا سی بات پر برہم ہو کر بے عزت کر دیتا تھا۔ راستے میں کہیں بھی ابدالی نے مزاحمت نہ کی اور مرہٹے اسے افغانوں کی بزدلی پر محمول سمجھتے ہوئے تکبر اور غرور کے ساتھ دہلی میں داخل ہو گئے اور اس پر قبضہ کر لیا۔ دہلی پر مرہٹی پرچم لہرانے کے بعد ۱۷۶۰ء میں اس طرح لوٹ مار مچا دی کہ شاہی محلات۔ امراء کی حویلیاں یہاں تک کہ مقبرے اور مزارات بھی ان کی دست برد سے محفوظ نہ رہ سکے۔ انہوں نے مسلمانوں کا قتل عام اس طرح کیا کہ یہ بات کھل کر سامنے آ گئی کہ یہ جنگ مرہٹوں اور ابدالی کے درمیان نہیں بلکہ اسلام اور کفر کے درمیان ہے۔ مسلمان فرمانروا یا سردار جو بھی مرہٹی فوج میں شامل تھے مرہٹے انہیں نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے ان کے ساتھ کھانا پینا اپنے مذہب کے خلاف سمجھتے تھے اس برتاؤ نے کسی حد تک مسلمان حاکموں کو بددل کر دیا تھا لہذا شجاع الدولہ حاکم اودھ مع شاہ عالم ثانی کے مرہٹوں سے علیحدہ ہو کر اسلامی لشکر میں جا شامل ہوئے۔

برسات کا موسم ختم ہوتے ہی طرفین کی افواج حرکت میں آئیں۔ ابدالی نے دریائے جمنا کو عبور کر کے فوجی اہمیت کے ایک مقام پر پڑاؤ ڈال دیا۔ جب کہ مرہٹوں نے پانی پت کے میدان میں خیمے گاڑھ دیئے۔ مرہٹوں نے خندقیں کھود کر انہیں فوجی مقصد کے لیے مورچوں کے طور پر تیار کر لیا۔

اکتوبر ۱۷۶۰ء میں احمد شاہ ابدالی نے پیشقدمی کر کے دہلی اور پانی پت

کے درمیان مقام کیا۔ یہ سب سوچی سمجھی سکیم کے تحت تھا۔ دہلی اس وقت مرہٹوں کا مرکز تھا اس طرح اُس نے دہلی اور پانی پت کے درمیان مرہٹہ خط رسد کو منقطع کردیا۔ اِس طرح مرہٹوں کی ناکہ بندی ہوگئی۔ آخر ۱۴ جنوری ۱۷۶۱ء کو جب رسد رُک جانے پر اس حکمت عملی کا احساس مرہٹہ سالار کو ہوا تو اُس نے فوج کو حکم دیا کہ خندقوں سے باہر آکر حملہ کردیں۔ سب سے آگے ابراہیم گاردی کا توپ خانہ تھا جس نے ابدالی کی فوج پر گولہ باری شروع کردی اسقدر گولے برسائے کہ ابدالی کی فوج کو آگے بڑھنے کی بجائے اپنا تحفظ کرنا مشکل ہوگیا اور انہیں بھاری نقصان اُٹھانا پڑا۔ دن بھر مرہٹی توپ خانہ آگ اگلتا رہا جس سے فوج کے خیمے جل کر راکھ ہوگئے اب ابدالی کی فوج کے لیے زمین کا فرش اور آسمان کی چھت رہ گئی تھی۔ یہاں تک کہ سورج غروب ہوگیا اور اندھیرا پھیلتے ہی جنگ رُک گئی۔ ابدالی کے لیئے یہ ناقابل برداشت نقصان تھا۔ وہ نجیب الدولہ، شجاع الدولہ اور مراد کے علاوہ اپنے سرداروں سے مشورے میں مصروف ہوگیا۔ آخر سب اسی رائے پر متفق ہوئے کہ جب تک مرہٹی توپ خانہ تباہ نہ کیا جائے پیشقدمی تو درکنار جان بچانا مشکل ہوجائے گی۔ اِس کام کے لیئے کون تھا جو سر ہتھیلی پر رکھ کر جائے۔ آخر احمد اللہ شاہ نے تجویز پیش کی کہ یہ کام کفن پوش تنظیم کے سپرد کیا جائے۔ مراد نے سینہ ٹھوک کر کہا۔

سلطانِ معظم میں ان نوجوان سرفروشوں کی قیادت کروں گا کیونکہ میرا تعلق اسی جماعت سے ہے۔ توپ خانے کو تباہ کرنے کا ذمہ میں لیتا ہوں مرہٹوں کو جہنم واصل کرنے کی ذمہ داری آپ قبول کریں۔

احمد شاہ نے جواب دیا۔

مرحبا بیٹے مراد۔ خدا کی قسم توپ خانہ تم تباہ کردو اور پھر دیکھو کہ لاشوں کے انبار ہم کیسے لگاتے ہیں۔ مجھے کملی والے کی حرمت کی قسم ہے اِن شہیدوں

کا بدلہ مرہٹوں سے اسطرح لوں گا کہ ہندوستان کی سرزمین مرہٹوں کا قبرستان بن جائے گی۔ صدیوں تک پانی پت کا میدان مرہٹہ فوج سے سرخ رہے گا۔

سلمان شہید سپاہیوں کو دفن کرنے کے بعد احمد اللہ شاہ نے جس رقت کے ساتھ دُعا مانگی اُس سے احمد شاہ ابدالی سے لیکر معمولی سپاہی تک کے آنسو بہہ نکلے۔ یہاں تک کہ آسمان بھی رو پڑا۔ بارش ہونے لگی اور بجلیاں چمکنے لگیں۔ یہ موسم کفن پوش تحریک والوں کے لیے بڑا سازگار تھا بارش سے بچنے کے لیے مرہٹہ سپاہ فتح کے غرور میں شرابوں کے نشے میں بدمست پڑی تھی۔ محافظ فوج کے سپاہی بھی خیموں میں پناہ لیے ہوئے تھے۔ خیموں سے باہر جلتی مشعلیں بارش کی وجہ سے بھیگ کر بُجھ گئی تھیں۔ چاروں طرف گور اندھیرا چھایا تھا۔ صرف خیموں کے اندر روشنی موجود تھی۔

کفن پوش تنظیم کے نوجوان مراد کی قیادت میں مرہٹہ فوج کے لباس میں مرہٹہ فوجی خیموں کی طرف رینگ رہے تھے۔ بارش مسلسل ہو رہی تھی اور تاریکی کے سبب اُن کی منزل بڑی آسان ہوگئی تھی باہر کوئی بھی پہرے دار مزاحمت کے لیے موجود نہ تھا۔ البتہ خیموں سے شراب کے نشے میں بدمست سپاہیوں کی بڑکیں اور گالیاں سنائی دے رہی تھیں۔ ابراہیم گاردی کا توپ خانہ ایک لائن میں دیوار کی صورت کھڑا تھا اور ہر توپ کے پیچھے بارود کا ذخیرہ خیمے کے اندر موجود تھا اور وہ اپنے عملے کے ساتھ دن بھر کی کامیابی کی خوشی میں سارے ہی عملے کو شراب کافی مقدار میں تقسیم کرچکا تھا جسے پینے کے بعد وہ بدمست ہوکر بیہوش پڑے تھے۔

مراد اور کفن پوش تنظیم کے نوجوان بل آخر مرہٹہ لباس میں ان صفوں کے درمیان پہنچ گئے۔ مراد نے چاروں طرف گھوم پھر کر بارود کے ذخیرے کا پتہ چلایا۔ چونکہ وہ مرہٹی لباس میں تھا اس لئے جہاں کہیں بھی کسی مرہٹے کا سامنا ہوا اُسے مرہٹہ سمجھ کر نظر انداز کردیا گیا۔ بقایا ساتھیوں کی ڈیوٹی مراد نے توپوں کے ساتھ ساتھ لگا

تھی اُن کو ہدایت تھی کہ خیموں میں موجود بارود کے توڑوں کو لاکر ہر توپ کے نیچے باندھ دیا جائے ۔ اس کام میں اُس کے ساتھی سرعت کے ساتھ لگے ہوئے تھے۔ توپ خانے کا عملہ رات کے حفاظتی اقدام محافظوں کے سپرد کرکے نشے میں بہوش تھے۔ ویسے بھی دن بھر وُہ توپیں داغتے رہے تھے اس لئے تھک کر نڈھال ہو چکے تھے جنہیں دوسرے دن کے لیے تازہ دم کرنے کے لیئے ہی وافر شراب سالار کے حکم سے مہیا کی گئی تھی۔

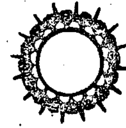
مراد نے گھوم پھر کر بارود خانے کا پتہ چلانے کے بعد دو دو چار چار بارود کے توڑے لاکر اہم مرہٹہ سرداروں کے خیموں کے ساتھ باندھ دیئے ۔ اس کام میں اُسے کافی وقت لگ گیا ۔ جب کہ اُس کے ساتھی اپنا کام ختم کرکے اُس کا انتظار کر رہے تھے اور پریشان تھے کہ اُسے کوئی حادثہ تو پیش نہیں آگیا۔ آسمان پر بادل چھٹ گئے تھے بارش بند ہوگئی تھی اور صبح کا تارہ طلوع ہوگیا تھا۔ مراد بارود بکھیرتا ہوا اور اس بارود سے تمام خیموں سے بندھے تھیلوں تک بارود کو پھیلاتا ہوا جب اپنے ساتھیوں کے پاس پہنچا تو اسلامی لشکر میں صبح کی اذان ہو رہی تھی اُس نے جلدی جلدی بارود بکھیرتے ہوئے تمام توپوں کے نیچے لگے تھیلوں تک پھیلا دیا اور اس بارود کا سلسلہ بارود خانے اور اہم مرہٹہ سرداروں کے خیموں سے منسلک کرنے کے بعد اُس نے تمام ساتھیوں کو کہا وہ جتنی جلدی ہوسکے واپس لوٹ جائیں اور جا کر اسلامی لشکر کو حملہ کرنے کے لئے تیاری کا کہیں۔

آسمان پر ہلکی ہلکی سیاہی کی بجائے سفیدی پھیل گئی تھی کہ مراد نے توپوں کے نیچے بکھرے ہوئے بارود کو مشعل سے آگ دکھا دی ۔ آگ بکھرے ہوئے بارود کے ساتھ ساتھ تیزی سے تمام توپوں کے نیچے موجود بارود کے تھیلوں تک پہنچ گئی۔ مراد نے ایک گھوڑا فرار کے مقصد کے لیے پہلے ہی کھول کر تیار رکھا تھا وہ بجلی کی طرح زقند لگا کر گھوڑے پر سوار ہوا اور اُسے سرپٹ اسلامی لشکر کی طرف چھوڑ دیا ۔ اب اُس کے پیچھے دھماکے ہوتے شروع ہوگئے تھے اور دیو ہیکر آگ اور دھواں اگلنے والی توپیں دھماکوں کے ساتھ جل رہی تھیں جونہی ان دھماکوں کی آواز سے مرہٹے بیدار ہوئے اُن پر قیامت ٹوٹ پڑی سرداروں کے خیمے دھماکوں سے اڑنے لگے اور درمیان میں موجود بارود کے ذخیرے نے تباہی مچا کر رکھ دی تھی۔

دوسری طرف احمد شاہ ابدالی خود ۔ نجیب الدولہ ۔ شجاع الدولہ ۔ شاہ عالم ثانی ۔ احمد اللہ شاہ اور نواب فخر الدولہ تک حملے کیلیئے تیار کھڑے تھے جونہی مراد ان تک پہنچا احمد شاہ ابدالی نے اُسے گلے لگا کر مونہہ چوم لیا۔ مرہٹہ توپ خانہ تباہ ہوچکا تھا۔ بے شمار مرہٹے سردار اور سپاہیوں کی لاشیں میدان میں جلتے ہوئے خیموں کے ساتھ جل رہی تھیں ۔ جب کے زندہ بچ جانے والے بھاگ دوڑ کر جان بچا رہے تھے دھماکے کے ختم ہوتے ہی احمد شاہ ابدالی اس بکھری ہوئی فوج پر ٹوٹ پڑا اور بے شمار مرہٹوں کو تہہ تیغ کرکے دن بھر کا بدلہ لے لیا۔

زندہ بچ جانے والوں نے جب اس تباہی کی داستان سداشو راؤ کو سنائی تو اُس نے بقایا فوج کو فوری طور پر تیاری کا حکم دیا اور خود اُن کی قیادت کرتا ہوا میدانِ جنگ کی طرف روانہ ہوا۔ اس شکست اور اُس کے مغرور رویہ کی وجہ سے سورج مل جاٹ اور کئی راجے اُس سے علیحدہ ہوگئے۔ سداشو راؤ نے میدان میں مرہٹوں کی لاشیں بکھری دیکھیں تو اُس سے برداشت نہ ہوا اور اُس نے اسلامی لشکر پر حملہ کر دیا۔ اسلامی لشکر تو پہلے ہی آخری ضرب لگانے کے لیے تیار تھی۔ دونوں فوجوں میں تصادم ہوا ۔ ایسا معرکہ ہوا جو ہندوستان کی تاریخ میں بڑی اہمیت کا حامل ثابت ہوا۔ ہتھیاروں کے ٹکرانے اور زخمیوں کی چیخ و پکار سے کان پڑی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ تلواریں بجلیوں کی طرح چمک رہی تھیں۔ طرفین کے بھالے ایک دوسرے غنیم کا سینہ پھاڑتے

ہوئے گزر رہے تھے۔ دونوں طرف کی فوجیں ہندوستان کی تاریخ کی بہت بڑی جنگ لڑ رہی تھیں۔ میدان میں لاشیں اور خون ہی خون دکھائی دے رہا تھا۔ سارا دن لڑائی کا میدان گرم رہا۔ اس جنگ میں دو لاکھ مرہٹے قتل ہوئے۔ مرہٹہ فوج کے سالار سداشو راؤ۔ پیشوا کا بیٹا وشوش راؤ مشہور مرہٹہ جرنیل سداسیوا بھاؤ۔ وشوا راؤ کے قتل ہوتے ہی مرہٹہ فوج سر پر پاؤں رکھ کر بھاگ گئی۔ اس شکست کی خبر سنتے ہی مہاراشٹر میں صفِ ماتم بچھ گئی۔ بالاجی باجی راؤ مرہٹی پیشوا کا غم سے انتقال ہوگیا۔ اس طرح برِصغیر میں ہندو راج قائم کرنے کا خواب ہمیشہ کے لئے پریشان ہوگیا۔



خوشی کے شادیانے

احمد شاہ ابدالی نے شاہ عالم ثانی کو مغل بادشاہ تسلیم کرتے ہوئے دہلی کے تخت پر بیٹھایا۔ اور تمام امراء کو باہم اتفاق سے رہنے کی نصیحت کی۔ تاج پوشی کے جشن میں شرکت کرنے کے لئے نجیب الدولہ نے ارجمند کو بھی دہلی بلا لیا تھا۔

آخر جانے سے ایک روز پہلے احمد شاہ ابدالی نے نواب فخر الدولہ کو جنہیں زبردستی اُن کے منصب پر بحال کر دیا گیا تھا سے اپنے بیٹے کے لیئے ارجمند کا رشتہ طلب کرلیا۔ نواب صاحب تو پہلے ہی بیٹی کے لیے کسی بڑے عہدے دار کا رشتہ چاہتے تھے انہوں نے فوراً قبول کرلیا۔ جونہی اس بات کی خبر نجیب الدولہ کو ہوئی انہوں نے نواب فخر الدولہ کو یاد دلایا کہ آپ نے صاحبزادی کی شادی کے سلسلہ میں مجھ سے وعدہ کیا تھا لہذا اب وقت آگیا ہے اس کے ایفا کرنے کا۔ مہربانی فرما کر ارجمند بانو کو میری بہو بنا دیجئے۔

نواب صاحب نے پریشان ہو کر جواب دیا۔

نجیب الدولہ تم میرے بھائی ہو لیکن افسوس ہمارے ذہن سے یہ بات نکل گئی اور احمد شاہ ابدالی نے جب اپنے بیٹے کے لیئے رشتہ طلب کیا تو ہم نے ہاں کر دی۔ اس وعدہ خلافی میں باخدا میری نیت کو دخل نہیں بلکہ ضعیفی کا قصور ہے۔

اُسی روز شام کے کھانے پر احمد اللہ شاہ مراد اور نواب فخر الدولہ موجود تھے دورانِ گفتگو شاہ صاحب نے نواب فخر الدولہ صاحب سے کہا۔ نواب صاحب صاحبزادی کے لیئے میں نے پہلے ہی کہہ رکھا ہے اور رشتہ کے لیئے لڑکا کا انتخاب کر رکھا ہے اب کیا ارادہ ہے آپکا؟

نواب صاحب نے قدرے پریشانی سے جواب دیا۔

قبلہ عالم مجھے بڑے افسوس کے ساتھ کہنا پڑ رہا ہے کہ کل ہی احمد شاہ ابدالی نے اپنے بیٹے کے لیے ارجمند کو مانگ لیا تو ہم انکار نہ کر سکے اس کے لیے ہم شرمندہ بھی ہیں اور معذرت خواہ بھی۔

مراد کو پتہ تھا کہ شاہ صاحب نے اُسی کے رشتے کی بات کی تھی لہذا اُس پر یہ خبر بجلی بنکر گری۔ اُس کے سارے ہی خواب پریشان ہو گئے۔

دوسری طرف جب ارجمند کو معلوم ہوا کہ وہ احمد شاہ ابدالی کے بیٹے تیمور شاہ سے بیاہی جا رہی ہے اُس نے فیصلہ کر لیا وُہ اپنی اور مراد کی رسوائی نہ ہونے دے گی اُور چپ چاپ ہیرا چاٹ کر خودکشی کر لے گی۔

نواب صاحب کی دہلی والی حویلی دلہن کی طرح سجی ہوئی تھی۔ بارات کے استقبال کے لیے۔ احمد اللہ شاہ صاحب کے علاوہ دہلی کے چند امرا موجود تھے۔ اندر طلعت۔ رعنا۔ ماہ جبیں وغیرہ ارجمند کو دلہن بنانے میں مصروف تھیں جس نے رو رو کر اپنا بُرا حال کر رکھا تھا۔ اُس نے سہیلیوں کی معرفت تمام میں مراد کو تلاش کروانے کی کوشش کی تھی لیکن مراد غائب تھا۔

بارات بڑی شان کے ساتھ آئی دولہا سہرے لگائے ہاتھی پر سوار تھا۔ بارات کے ساتھ خود بادشاہ شاہ عالم ثانی۔ احمد شاہ ابدالی۔ نجیب الدولہ اور بڑے بڑے عہدے دار سردار وغیرہ موجود تھے۔

نکاح کے وقت جب دولہا کا سہرا اُٹھایا گیا تو نواب صاحب نے حیرت سے دیکھا دلہا مراد تھا۔ انہوں نے احمد شاہ ابدالی سے کہا۔ آپ نے تو ارجمند کا رشتہ اپنے بیٹے کیلئے مانگا تھا۔

احمد شاہ ابدالی نے جواب دیا۔

نواب صاحب مراد بھی میرا بیٹا ہے۔ اس بیٹے پر تو ہزاروں بیٹے قربان کئے جا سکتے ہیں۔

اس کے بعد ہی نجیب الدولہ نے نواب صاحب کے کان میں سرگوشی کی۔

احمد شاہ ابدالی سبقت لے گئے حالانکہ میں نے بھی ارجمند کا رشتہ اپنے اسی بیٹے کے لیئے مانگا تھا۔

دوسرے کان میں احمد اللہ شاہ صاحب نے خوشی سے کہا۔

حیرت ہے نواب صاحب میں نے بھی مراد کو ہی صاحبزادی کے لئے منتخب کیا تھا۔

میری طرف یہ اس درویش کا بھی بیٹا ہے۔

نکاح کے ایجاب وقبول کے وقت ارجمند اپنے ہوش میں ہی نہیں تھی۔ رعنا نے اُس کی انگلی سے ہیرے کی انگوٹھی اتار کر قبضے میں کر لی تھی کیونکہ وہ ارجمند سے سن چکی تھی کہ وہ ہیرا چاٹ کر جان دیدے گی۔ وہ عروسی جوڑے میں ایک مردے کی طرح گٹھری بنی بیٹھی تھی کہ اُس کے کان میں کسی نے سرگوشی کی۔

ارجمند بانو آپ کا یہ غلام سلام عرض کرتا ہے۔

مراد کی آواز سنکر اُس نے چونک کر دیکھا سامنے مراد کھڑا تھا۔

ارجمند نے روتے ہوئے کہا۔

مراد ۔ ۔ ۔ ۔ تم ۔ ۔ ۔ ۔ تم نے آنے میں بڑی دیر کر دی۔ اب میرے اور تمہارے درمیان ایک دیوار حائل ہو چکی ہے۔ شرافت اور اخلاق کی دیوار۔ اب اگر تم مجھے رسوائی سے بچانا چاہتے ہو تو لوٹ جاؤ میں کسی اور کی ہو چکی ہوں۔

مراد نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

نواب زادی صاحبہ آپ ہوش میں ہیں۔ آج تو شرافت اخلاق معاشرہ یہاں تک کہ خود

قبلہ نواب صاحب بھی مجھے اس حجلہ عروسی سے نہیں نکال سکتے میرے پاس آپ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں۔ آپ میری بیگم بن چکی ہیں۔

اس کے ساتھ ہی قہقہے لگاتی طلعت۔ رعنا وغیرہ مراد کی بہن سلمیٰ اور بی بی صاحبہ کو لے کر اندر داخل ہوئیں۔ سلمیٰ نے ارجمند کو سینے لگاتے ہوئے کہا۔

بھابی۔ میری پیاری بھابی۔

بی بی صاحبہ نے لڑکیوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

ارے لڑکیو!۔ مجھے بھی اپنی بہو کے پاس لے چلو۔ لڑکیوں کی بجائے مراد نے ماں کو لے جا کر ارجمند کے پاس بیٹھا دیا۔ تب ارجمند کو یقین ہوا کہ واقعی اُس کی شادی مراد کے ساتھ ہوئی ہے۔

پھر جب دولہا اور دلہن سلام کے لیئے احمد شاہ ابدالی کے پاس آئے تو احمد شاہ ابدالی نے پنجاب کی صوبہ داری کا پروانہ سلامی میں مراد کے حوالے کرتے ہوئے دولہا دلہن کو دعاؤں سے نوازا۔ اور پھر اُسی دن احمد شاہ ابدالی اپنی فوج سمیت واپس لوٹ گیا۔

